www.pklibrary.com

آسیہ رئیس خان

# ہوگئے مجبور

digest novels lovers group

"یہ اسد خان ہیں، بچوں کو سائنس اور میتھس پڑھائیں گے۔"

اس کی اکلوتی سہیلی کے ابا یعنی سرور چاچا نے ساتھ آئے اجنبی کا تعارف کروایا۔

پالش چھوڑ چکی لکڑی کی پرانی تپائی پر ٹرے رکھتے ہوئے اس نے استاد اسد خان کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سیاہ الجھے بالوں سے ڈھکا سر، گہری بلیو جینز پر خاکی چیک شرٹ، کلائی پر چوڑے سے پٹے والی سلور گھڑی جو اپنے پرانے ہونے کا اعلان خود کر رہی تھی اور پیروں میں مٹی سے اٹے اسپورٹس شوز۔ کہنی تک چڑھی آستینوں والا ہاتھ بڑھا کر اسد نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگاتے ہوئے اسے دیکھا۔

اس کا تفصیلی جائزہ لیتی ہادیہ سے نظریں ملیں اور وہ گڑبڑائے بنا پورے اعتماد سے رخ موڑ گئی۔ وہ حسین و جمیل چہروں کو بھی متوجہ ہونا لازمی ہو تب ہی دوبارہ دیکھتا تھا۔ اس عام سے نین نقش والی سانولی لڑکی پر بھی اس نے پھر دوسری نظر نہیں ڈالی۔

دو اجنبی آنکھوں کا یہ تصادم کسی کہانی کے انجام کی ابتدا تھی۔

کہانی انتظار اور جدائی کی، کہانی فاصلوں اور خاموشیوں کی، کہانی مصلحت اور مجبوریوں کی۔

"اب تو بورڈ امتحان کا وقت قریب ہے۔" سرور چاچا کی ملاقاتیں اور باتیں ہی دادی کو اسکول کالج اور امتحانوں سے باخبر رکھتی تھیں۔

مکمل ناول

Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

"عبدالوہاب جو سائنس اور میتھس پڑھاتے تھے آپریشن کے بعد بستر پر ہیں اور بچے ان دو مضامین میں بہت کمزور، اس لیے یہ عارضی انتظام کرنا پڑا۔" انھوں نے تفصیل سمجھائی۔

"مجھے سائنس لینے دی ہوتی تو آج یہ کام میں کر لیتی۔" باورچی خانے میں جاتے ہوئے اس نے دھیمی آواز میں اپنا غم دہرایا۔

اس کے دونوں قصور وار یعنی دادی اور سرور چاچا نے اسے دروازے سے غائب ہوتے دیکھا۔ سرور چاچا تو یوں بھی اس کے اس دکھ اور الزام پر چپ رہتے تھے لیکن دادی نے اس وقت نئے مہمان کا لحاظ کرتے ہوئے کچھ نہیں کہا۔

گاؤں دراصل چھوٹا سا شہر بننے کی راہ پر گامزن تھا یعنی آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ گرد سے اٹے، کچے راستوں کی جگہ اب پکی سڑکیں تھی، بس اڈے پر آنے والی بسوں کی تعداد بڑھ گئی تھیں۔ گھوڑوں کی تعداد کم ہوتے ہوتے اب ختم ہونے کو تھی۔

لوگوں نے معاش کے نئے ذرائع اپنا لیے تھے۔ ایک سرکاری پرائمری ہیلتھ سینٹر کی جگہ، اب ٹھیک ٹھاک سا اسپتال میسر تھا اور اسکول میں اب دسویں کے بعد جونیئر کالج تک تعلیم کا انتظام تھا۔ جہاں اس سال آرٹس کے ساتھ ساتھ سائنس کی تعلیم بھی شروع کی گئی تھی۔ امتحان قریب تھے اور بارہویں کے سائنس و ریاضی کے ٹیچر ریڑھ کی ہڈی کی جراحت کے بعد دو ماہ کے لیے بستر پکڑ چکے تھے۔ طالب علموں کا حال پہلے ہی ان دو مضامین میں بڑا خراب تھا۔ یہ جونیئر کالج کا پہلا بیچ تھا اس لیے اس کا اچھا نتیجہ ضروری تھا۔

پرنسپل صاحب یعنی سرور چاچا نے بڑی بھاگ دوڑ کے بعد ایک 'پڑھے لکھے اور قابل' عارضی ٹیچر کا انتظام کیا تھا جو کسی طرح انھیں ایک اچھا نتیجہ دے سکتا تھا اور اب وہ، دادی یعنی شمس النساء بیگم کے سامنے اس ٹیچر کے ساتھ موجود تھے۔

"پچھلے دنوں ہوئی واردات کے بعد مجھے یہاں کسی مرد کا موجود ہونا ضروری لگتا ہے۔" انھوں نے سر جھکا کر دھیرے سے کہا۔

وہ دادی کی بڑی عزت کرتے تھے اور دادی کے مطابق، ساری بستی میں وہ واحد سلجھے ہوئے انسان تھے ورنہ اس قسم کا جملہ کوئی اور دادی کے سامنے کہتا تو وہ اپنی کڑک دار آواز میں، وہ تقریر کرتیں کہ مقابل کو دم دبا کر بھاگتے بنتی۔

"تم پہلے بتا دیتے تو میں صفائی کروا کے رکھتی کمرے کی۔" انھیں سرور میاں پر بھروسہ تھا وہ قابل اعتبار انسان کو ہی لائے ہوں گے۔

کسی زمانے میں ان کا مکان یہاں کا سب سے 'قابل دید' مکان تھا۔ بیرون ملک سے کچھ دن کے لیے آئے بیٹے نے اسے، رنگ و روغن کے ساتھ ساتھ جدید تقاضوں سے بھی مزین کر دیا تھا۔

گاؤں والے مرمت کے بعد باورچی خانے کے جدید کیبنٹ، ہال میں بنا وال یونٹ، صوفہ سیٹ اور دیگر فرنیچر وغیرہ دیکھنے کے لیے آتے اور ہر بار دادی کی گردن فخر سے تن جاتی تھی۔

اب اس بات کو برسوں بیت گئے تھے۔ مکان تو تھا ہی کہنہ، اب اندر کا فرنیچر اور آرائش بھی پرانے ہو گئے تھے۔ برآمدے اور صحن کا فرش اکھڑنے لگا تھا، رنگ و روغن کب کے اتر چکے تھے اور دیکھنے آنے والے باشندے، قصبے کے دوسرے سرے پر بنے پلاٹوں پر نئی کالونیاں بسا چکے تھے۔

بستی کے اس آخری سرے پر دادی کے مکان کے علاوہ چند ایک گھر ہی باقی تھے۔ اسکول کی پرانی عمارت قریب ہونے کی وجہ سے ہلچل رہتی تھی ورنہ یہ حصہ سنسان ہی رہتا۔

"ابھی میں انھیں اسکول ساتھ لے جاتا ہوں، دوپہر میں چھٹی کے بعد آئیں گے، تب تک آپ صفائی وغیرہ دیکھ لیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" دادی نے تائید کی۔

باورچی دوسری ٹرے میں چائے کے تین کپ لیے واپس آئی۔

"یہ آپ کی پرہیزی چائے چاچا!" اس نے



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

ایک کپ اٹھا کر سرور چاچا کو تھمایا۔ وہ ذیابیطس کے مریض تھے۔

"شکریہ بیٹا!" انھوں نے کپ لے کر دوسرے ہاتھ سے دوسرا کپ اٹھا کر اسد کو دیا۔

"شکریہ۔" اس نے کپ لیتے ہوئے کہا۔

چائے پینے کے بعد سرور چاچا اس کے ساتھ واپس چلے گئے۔ وہ اپنا ڈفل بیگ وہیں چھوڑ کر بیگ پیک ساتھ لے گیا تھا۔

"کرایہ تو طے کرلیتیں پہلے۔" ان دونوں کے گھر سے باہر جاتے ہی وہ تپائی سے ٹرے، گلاس اور کپ اٹھانے واپس آئی۔

"وہ سب سرور میاں طے کرلیں گے۔" دادی مطمئن تھیں۔

اسے اپنی خلوت اور تنہائی میں، یہ مداخلت اچھی نہیں لگ رہی تھی لیکن پچھلے ہفتے، چوری یا پھر ان دونوں کو ڈرانے کی کوشش کے بعد، وہ دادی کی رضامندی کی وجہ بھی سمجھ رہی تھی۔

"دو مہینے بعد امتحان ہے۔" اس نے انھیں باور کرایا کہ یہ عارضی حل ہے۔

"آخر والا کمرہ صاف کردے۔" انھوں نے اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"آخری کیوں؟" وہ جو اندر جا رہی تھی رک کر پلٹی۔

"ادھر تو سارا دن ٹو دنداتی پھرتی ہے، آخری والا کمرہ ہی الگ ہے اور اس کا دروازہ بھی باہر سے ہے۔"

وسیم والے واقعات کے بعد، دادی نے پلنگ ان کے کمرے سے نکال کر، برآمدے کے سامنے والے بڑے کمرے یعنی ہال میں ڈال لیا تھا۔ ہال کے ساتھ تین کمرے اور باورچی خانہ تھا، جن کے داخلی دروازے ہال میں تھے۔ مکان کے دائیں سمت والے تنہا کمرے سے برآمدہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کا ہال میں کھلنے والا دروازہ بھی ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس بند دروازے کے ساتھ ہی ہال میں صوفہ رکھا ہوا تھا۔ دادی کو کہاں علم تھا اس کمرے کی چھوٹی کھڑکی جو مکان کا آخری حصہ تھی، کے نیچے کا چبوترہ اس کا 'کتھارسس باکس' ہے۔

وہ دھویا کی بیٹی کا فراک سی رہی تھی، اسے ادھورا چھوڑ کر کمرے کی صفائی کرنا پڑی۔ اس نے چھوٹی کھڑکی کی اچھی طرح جانچ کر تسلی کر لی تھی۔ لمبے عرصے سے بند رہنے کی وجہ سے اس کا آسانی سے کھلنا ممکن نہیں تھا۔ ویسے بھی کمرے کی سب سے بڑی کھڑکی پچھلی سمت تھی جہاں سے میدان اور پھر دور تک پھیلے بچے کچے چند کھیت نظر آتے تھے۔ اسے کھولنے کے بعد اس چھوٹی سی کھڑکی کی ضرورت بھی نہ تھی کہ اس کے سامنے احاطے کی دیوار تھی۔

دادی کی ہدایات پر پلنگ پر نیا گدا، چادر، تکیہ، کمبل، پانی سے بھرا جگ، گلاس، تولیہ، صابن، مچھر مارنے والی اگربتی اور ماچس بھی رکھ آئی۔ ان سب کے علاوہ چونکہ وہ پڑھانے آیا تھا تو کمرے میں میز کرسی بھی ضروری تھی، اس لیے گھر کی اکلوتی میز بھی مع کرسی کمرے میں پہنچا دی گئی۔

"دادی وہ کرایے دار ہے مہمان نہیں۔" اسے یہ سارا اہتمام ضرورت سے زیادہ لگ رہا تھا۔

"تو مہمان سمجھ لے۔" دادی کو اس کے ساتھ بحث کی نہیں بات ختم کرنے کی عادت تھی۔

اسے بار بار ایک خیال آرہا تھا لیکن چپ رہی کہ منہ سے نکلتے ہی، اس کے کھانے پینے کی ذمہ داری بھی اس کے سر آجانا تھی۔ اس کی یہ احتیاط دو دن بعد ہی بے کار ثابت ہوگئی۔

اول دن تو وہ دوپہر کے بجائے، شام کو آیا اور جو کمرے میں بند ہوا تو اگلے دن صبح، جب وہ دادی کے وضو کے لیے گرم پانی لے کر صحن میں آرہی تھی تب نظر آیا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر صحن سے گزرتے ہوئے باہر چلا گیا۔

"اتنی صبح یعنی فجر میں تو اسکول نہیں کھلتا۔" اس نے سوچا۔

معمول کی طرح، دادی نماز کے بعد برآمدے میں رکھے اپنے چھوٹے سے دیوان جسے وہ ان کا تخت



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

کہتی تھی، پر تلاوت کرنے بیٹھ گئیں۔ اس وقت اسے نماز پڑھ کر سونے کی جلدی ہوتی تھی اور دادی کو چائے کی طلب۔ وہ ان کو چائے دینے آئی تب وہ واپس آیا۔

اوہ!" اسے حیرت ہوئی۔ "تو کرایے دار نماز پڑھنے گیا تھا۔"

"السلام علیکم۔" اس نے دادی کو سلام کیا اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتیں ہادیہ کو ان کے جواب کے بعد کا اگلا جملہ سوچ کر کوفت ہونے لگی۔

وعلیکم السلام، ماشاء اللہ صبح خیز ہونا اچھی بات ہے۔ ہادیہ انھیں بھی چائے دے دو۔"

"شکریہ..... لیکن تکلیف نہ کریں۔" اس نے انکساری سے کہا۔

"تکلیف کی کیا بات، جاگنے کے بعد چائے تو لازم ہے۔"

وہ کہنا چاہتی تھی، دادی کیا پتا شاید میری طرح انھیں بھی فوراً بستر میں جانے کی جلدی ہو، مگر صبح صبح زبان زیادہ ہلانے سے نیند بھاگ جانے کا خدشہ تھا۔ وہ خاموشی سے اندر چلی گئی۔ پھر ایک کپ چائے بنا کر باہر آئی تو دادی ہل ہل کر تلاوت کر رہی تھیں۔ کرایہ دار غائب تھا۔

"کمرے میں دے آؤ، کب تک کھڑا رہتا۔" وقفہ لے کر انھوں نے حکم کے ساتھ اس کا قصور بھی جتا دیا۔"

"مہمان۔۔۔۔۔" اس نے خود کو یاد دلایا۔ "یہ دادی کے لیے مہمان ہے دیا۔"

اس نے دروازے پر دستک دی، اسد نے دروازہ کھول کر کپ لے لیا۔

"تھینکس۔" خالص رسمی الفاظ پر اسے غصہ آ گیا۔ دادی کے مقابل والی انکساری کا شائبہ تک نہ تھا۔

"مکار اور اداکار!" اس سے پہلے کہ وہ اس کے منہ پر دروازہ بند کرتا وہ فوراً پلٹ گئی۔"

سردی اپنے آخری پڑاؤ میں تھی اور یہ ہی کچھ دن تو رضائی کے مزے ملتے تھے۔ وہ واپس آ کر لیٹی تو روز کی طرح فوراً سو نہیں سکی۔

"کل سے پہلے ہی دو کپ چائے بنا لوں گی۔"

نیند کی وادی میں گم ہونے سے پہلے وہ طے کر چکی تھی۔

☆☆☆

تیسرے دن اتوار تھا اور صبح صبح سرور چاچا چلے آئے۔ کچھ دیر بعد معاملہ کھلا کہ دادی کا مہمان اور اس کا کرایہ دار دو دن ہوٹل کا کھانا کھا کر 'فوڈ پوائزننگ' کا شکار ہو گیا ہے اور توقع کے عین مطابق مہمان کی مہمان نوازی بھی اس کے سپرد کر دی گئی۔

وہ کئی برسوں سے دادی کے ساتھ تنہا رہ رہی تھی۔ بچپن میں پہلے ماں اور پھر اسکول پہنچنے تک ابا بھی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ پھوپھو اور چاچا شادی کر کے دور چلے گئے، پھوپھو، سسرال اور چاچا دبئی۔ دادا بھی زیادہ دن ان کا ساتھ نہ دے سکے تھے۔ پیچھے وہ اور دادی رہ گئیں۔ مکان کے ساتھ کچھ زمین بھی تھی۔ جب تک دادی کی صحت نے ساتھ دیا، وہ کھیت کے سب کام اپنی نگرانی میں کروایا کرتی تھیں۔ اب پٹے پہ دے رکھا تھا۔ چاچا بھی ہر ماہ معقول رقم بھیجا کرتے تھے اس لیے وہ معاشی طور پر مستحکم تھیں۔

سرور چاچا کی ضویا اس کی ہم عمر اور ہمجولی تھی۔ ان کی کوششوں سے ہی وہ دونوں اسکول کے بعد قریبی شہر جا کر بی اے کر سکی تھیں۔ اس کے لیے انھیں روز دو گھنٹے بس سے سفر کرنا پڑتا تھا۔ اس کی خواہش کے باوجود سرور چاچا نے اسے سائنس نہیں پڑھنے دی۔ اس کے لیے ایک تو شام تک کالج میں رکنا ہوتا تھا دوسرے ضویا اوسط سے کم درجے کی طالبہ تھی، سائنس اس کے بس کا روگ نہ تھی۔ دونوں کو ایک ساتھ تو روز آنے جانے کی اجازت تھی تنہا یا الگ الگ نہیں۔ بی اے کا نتیجہ آنے سے پہلے ہی ضویا کی شادی ہو گئی اور اب وہ سسرال کے ساتھ ساتھ دو بچے سنبھال رہی تھی۔

اس کے لیے دادی نے اپنے بڑے اور اکلوتے پوتے کو چن رکھا تھا۔ پوتا بھی وہ جو آخری بار دس سال پہلے آیا تھا۔ اب بھی اس کے آنے کے کوئی آثار نہ تھے مگر دادی کی امید قائم و دائم تھی۔ اس معاملے میں اس کی حیثیت تماش بین سی تھی۔

ترنی کے ساتھ ساتھ گاؤں کے دوسرے سرے



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

پر نئی آبادی اور کالونیاں بس چکی تھیں۔ دادی کا مکان اب الگ تھلگ سا تھا۔ اس مکان کے بغل والی خالی جگہ وسیم کے خاندان نے خریدی تھی۔ وسیم کا خاندان بستی کے نئے امیر اور پرانے بدمعاش تھے۔ سڑک کی تعمیر کے دوران حکومت کی جانب سے ان کی زمینوں کا انھیں بڑا بھاری معاوضہ ملا تھا اور اب انھیں دادی کے بازو والی جگہ پر، اپنا شان دار بنگلہ اور جانے کیا کیا بنانا تھا۔ جس کے لیے انھیں دادی کا مکان بھی چاہیے تھا۔

ایک دن وسیم کا باپ اور چاچا دادی کے پاس اپنا مدعا لے کر آئے۔ تگڑی سی رقم اور بہت اصرار کے بعد بھی دادی نے انھیں مکان فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔

ہادیہ کی شادی کے بعد دادی شاید مکان فروخت کرنے شاید تیار ہو جاتیں لیکن اس مکان کو ڈھا کر، وہاں کوئی اور اپنا محل بنائے، اس کے لیے ان کا دل راضی نہیں تھا۔

مکان کے لیے انکار کے بعد، دادی کی سہیلی حوابی ہادیہ کے لیے وسیم کا رشتہ لے کر آئیں اور تب دادی کا ماتھا ٹھنکا۔ ایک ہی گاؤں میں رہنے کے باوجود ان کی وسیم کے گھر والوں سے علیک سلیک بھی نہیں تھی اور پھر اچانک رشتے کی بات۔ دادی سمجھ پائی تھیں یا نہیں لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا، ان کے لیے اپنے بنگلے کی تعمیر اس قدر اہم اور ضروری تھی کہ اس میں شادی بیاہ جیسا معاملہ نمٹانا بھی ان کے لیے معمولی بات تھی۔ ان کے مطابق ہادیہ سے شادی یعنی سب کچھ ان ہی کا ہو جانا تھا۔

اس کے بعد دادی نے بیٹے کو کتنے ہی فون کر ڈالے اور اس کا ایک ہی جواب تھا، فرصت ملتے ہی آ رہا ہوں۔ وسیم کا پیغام اب مختلف طریقوں سے ان تک پہنچنے لگا تھا۔ ایک دو بار اس نے راستہ روک کر ہادیہ سے بات کرنے کی کوشش کی اور اس کے بعد ہادیہ نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

وہ مہینوں سے گھر میں قید تھی۔ وہ بزدل یا دبو نہیں تھی مگر ایک تنہا دادی کے سہارے بات بڑھانا یا مقابل کو مواقع دینا بھی عقل مندی نہیں تھی۔ اس کے گھر میں بند ہو جانے کے بعد دادی اپنے گھٹنوں کے درد کی وجہ سے باہر کے کام کے لیے روز بازار نہیں جا سکتی تھیں۔ ایسے میں حوابی اور سرور چاچا ہی ان کے کام آ رہے تھے۔

ہادیہ نے باہر جانا بند کیا تو چند دن بعد رات میں، صحن کے دروازے پر ہلکی دستک اور پھر صحن میں پتھر پھینکنے کی شرارت یا انھیں ڈرانے کی کوشش ہوئی۔ دادی تو اس حرکت پر بہت آگ بگولہ ہوئیں۔ غائبانہ ہی وسیم اور اس کے ماں باپ کو خوب سنائیں اور بھی مکان انھیں نہ دینے کا تہیہ بھی کر لیا۔

وسیم اور اس کے خاندان سے، کچھ بستی والے ڈرتے اور دبتے تھے اور، کچھ شریفوں کو اپنی عزت پیاری تھی، اس لیے سب ہی ان بدمعاشوں اور ان کے معاملات سے کوسوں دور رہتے تھے۔ دادی نے سرور چاچا کو سب کہہ سنایا تھا، ساتھ ہی اپنا عزم بھی کہ وہ ان ہتھکنڈوں سے ڈرنے والی نہیں۔ اس کے ایک ہفتے بعد ہی سرور چاچا ایک مرد کو، ان کا کرایے دار بنانے لے آئے تھے۔ یہ انتظام کچھ دنوں کا تھا لیکن دادی اب ذرا مطمئن تھیں۔

☆☆☆

وہ آٹھ سوا آٹھ بجے گھر سے نکلتا تھا۔ ہادیہ روز صبح دروازے پر دستک دے کر ناشتے کی ٹرے اسے تھما کر واپس آ جاتی۔ وہ جاتے ہوئے ٹرے بھی تخت پر بھی کرسی پر رکھ دیا کرتا۔ دوپہر میں ظہر کے بعد وہ گھر آتا۔ اکثر دادی ہی آواز دے کر اسے بتاتیں کہ مہمان آ گیا ہے، کھانا دے دو۔ وہ پھر ٹرے تھما کر آ جاتی۔ دادی کھانا کھا کر قیلولہ کی عادی تھیں۔ وہ جس وقت باورچی خانہ سمیٹ رہی ہوتی، اس وقت شاید وہ دوبارہ واپس چلا جاتا تھا۔ ٹرے حسب معمول برآمدے میں بھی تخت پر تو کبھی کرسی پر رکھی ملتی۔ آتے جاتے وقت اس کے ہاتھ میں اخبار میں لپٹا کچھ ہوتا تھا۔ اسے کئی دن بعد سمجھ آیا وہ میلے اور دھلے استری شدہ کپڑے ہوتے ہیں۔

کھانے کے اوقات کے علاوہ فجر میں ہی ان کا سامنا ہوتا تھا۔ اس وقت وہ پانی کا خالی جگ تخت پر رکھ جاتا۔ ہادیہ بھر کر پھر تخت پر رکھ دیتی۔ وہ واپسی میں اٹھا لیتا۔ ہفتہ بھر بعد ہی ان تینوں کا صبح کا معمول گڑبڑا گیا۔

"السلام علیکم۔" اس نے روز کی طرح دادی کو



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا!" دادی ستون کا سہارا لیے دو سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں آ رہی تھیں۔ وہ گرم پانی کا خالی برتن اٹھا کر سیدھی ہوئی تو اسد کھلے دروازے کے پٹ تھامے کھڑا تھا۔ وہ دروازے کے باہر کسی چیز کو بغور دیکھ رہا تھا۔

اسے فوراً کسی انہونی کا خیال آیا۔ وہ دروازے کے باہر جھانکنے کے لیے اور آگے بڑھی، اسد نے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس کرتے ہی مڑ کر ہاتھ آگے پھیلا کر اسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ دادی بھی ان کی سمت متوجہ تھیں۔

"کیا بات ہے؟" دادی نے پوچھا۔ ہادیہ نے اچک کر اس کے شانے کے اوپر سے باہر دیکھا اور ہاتھ سے برتن چھوٹ گیا۔ خالی برتن کے گرنے کے شور میں اس کی چیخ بھی شامل تھی۔ اس نے فوراً منہ ڈھانپ کر چیخ کا گلا گھونٹا۔ صحن سے باہر پہنچ رہی روشنی میں دہلیز کی دوسری طرف گردن کٹی، خون میں لتھڑی بلی صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کی اڑی رنگت دیکھ کر اسد نے دروازہ بند کر دیا۔

کیا ہوا؟" دادی گھبرا کر پھر نیچے اترنے لگیں۔"

"کچھ نہیں، باہر دروازے کے سامنے بلی مری ہے۔" اسد نے جیب سے فون نکالتے ہوئے کہا۔"

دادی دروازے کی طرف بڑھیں۔

"رہنے دیں، میں پرنسپل صاحب کو فون کرتا ہوں۔" اس نے انھیں روکنا چاہا مگر دادی تب تک دروازہ کھول چکی تھیں۔ وہ طبعی موت مری بلی نہیں تھی۔

ہادیہ فوراً سنبھل کر آگے آئی اور دروازہ بند کیا۔

"اندر چلیں دادی! سرور چاچا اور یہ اسے کہیں پھینک آئیں گے۔"

"یہ اس کمینے کی حرکت ہے۔" دادی طیش میں آ گئیں۔ "اس طرح ڈرائے گا اب ہمیں، میں نہیں ڈرنے والی ان ہتھکنڈوں سے۔" وہ یوں کہنے لگیں مانو وہ کمینہ دیوار کے اس طرف کھڑا سب سن رہا ہو۔

"آپ نماز پڑھیں، چلیں، وہ دیکھ لیں گے۔"

اس نے انھیں اندر لے جانا چاہا لیکن وہ، سرور چاچا کے آنے تک صحن سے ہلی نہیں۔ ان دونوں نے انھیں دروازہ بند کرنے کہا اور اس گردن کٹی بلی کو ٹھکانے لگانے چل پڑے۔ آج وہ بھی نماز پڑھ کر اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"کیا کیا بلی کا؟" بڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو دادی نے دیکھتے ہی پوچھا۔

"ذرا فاصلے پر دفنا دیا ہے۔"

وہ اٹھ کر اس کی چائے لینے اندر چلی گئی۔

واپس آئی تب تک دادی بلی کی قبر کا پتہ پوچھ چکی تھیں۔

"تھینک یو۔" وہ اس کے ہاتھ سے کپ لے کر چلا گیا۔ آج اسے فجر کے بعد نیند ہی نہیں آئی۔ آنکھ بند کرتے ہی وہ مردہ بلی سامنے آ جاتی تھی۔

دوپہر میں دادی کے سوتے ہی وہ چائے کا کپ لے کر اپنے 'کتھارسس باکس' میں آ گئی۔ چبوترے پر بیٹھتے ہوئے اسے لگا سامنے کی دیوار ہمیشہ کی طرح اس کی باتیں سننے کی منتظر ہے۔ ایک گہری سانس لے کر وہ شروع ہوئی۔

"اففف! نہایت بدتمیز بلکہ دادی درست کہتی ہیں کمینے لوگ ہیں جو ایک بزرگ کو اس طرح پریشان کر رہے ہیں، ڈرا دھمکا کر دادی سے ان کا گھر چھیننا چاہتے ہیں۔ اس جگہ کے بغیر بنا لے اپنا بنگلا ایسی بھی کیا ضد۔

اللہ جانے کیسا آرکیٹیکٹ پکڑا ہے جو اتنی بڑی جگہ ہوتے ہوئے بھی اس چھوٹے سے مکان کے پیچھے پڑا ہے۔

یہ کب تک چلے گا ویسے؟ دادی تو کبھی نہیں بیچیں گی یہ گھر..... کتنا اور کب تک ہمیں ڈرائیں گے بھلا.....؟ میں اس کمینے کی وجہ سے مہینوں سے گھر میں بند ہوں اور اب یہ گھر تک پہنچ گیا۔

سارے گاؤں میں کوئی ساتھ دینے والا ہے نہ وسیم اور اس کے گھر والوں سے کچھ کہنے کی ہمت ہے کسی میں۔۔۔۔ اس قدر بدتمیز، جاہل اور لڑاکا ہیں وہ سب..... مجھے اب ذرا ذرا خوف آ رہا ہے۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

خیر چھوڑو۔۔۔۔۔ اللہ مالک ہے، اب تک بھی تو وہی سہارا تھا آگے بھی بس وہی ہے۔۔۔۔۔"

وہ ذرا ٹھہری تھی کہ ایک نیا خیال کوندا۔

"کہیں اس مکان کے نیچے کسی خزانے کی سن گن تو نہیں ملی انھیں؟ یہاں کون سا خزانہ ہوگا اور کون دفنائے گا؟ کیا پتا ہو کوئی راز اور دادی بھی اسی لیے مکان دینے پر تیار نہیں تو بہ ہے ویا۔ کچھ بھی۔"

اپنے اس انوکھے خیال پر اسے خود ہی ہنسی آ گئی۔

یہاں بلند آواز میں بنا فلٹر کے سب نکال کر وہ آخر میں ہمیشہ پرسکون ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

"مجھے کیا ہونا ہے؟" دادی کا انداز تو وہی لٹھ مار تھا جو وہ ہمیشہ بیٹی کے 'کیسی ہیں اماں؟' کے جواب میں اپناتی تھیں مگر لہجے کی کاٹ معمول سے زیادہ تیز تھی۔

"پھر کیسے بات کروں؟" دھلے کپڑے تہ کرتی ہادیہ تخت پر ان کے بازو میں یوں انجان بنی تھی جیسے کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا ہو۔

"وہ بھی اچھی ہے۔" یہ اس کا ذکر تھا۔ پھوپھو نے بات بدل دی تھی۔ انھیں بھی ماں کی ناراضی کا اندازہ تھا اور وہ یوں فون پر دور نہیں ہو سکتی تھی۔

"تم نے فون کیا اشفاق کو؟"

"کب کروں گی؟ میری تو سن کر ایک ہی جواب دیتا ہے۔"

ہادیہ نے آخری دوپٹا تیزی سے تہ کیا، اسے تہ کیے کپڑوں کے کئی منزلہ ڈھیر پر رکھا اور دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اس 'کئی منزلہ عمارت' کو اٹھا کر اندر چلی گئی۔ دادی اس کے سامنے خوامخواہ 'کوڈ ورڈ' میں باتیں کرنے کی کوشش کرتی تھیں یا نواسے تو سمجھ ہی نہیں آئے گا اور اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ کم از کم بیٹی کے سامنے دل کھول کر سب کہہ ڈالیں۔

الماری میں دادی کے کپڑے رکھتے ہوئے بھی اسے ان کی آواز آ رہی تھی مگر اب وہ کھل کے بات کر رہی تھیں۔

"میری معصوم دادی۔"

"میں کہاں مہینوں کے لیے بلا رہی ہوں اسے، اتنا ہی چاہتی ہوں وہ اپنی امانت لے جائے۔"

"صاف بات کیوں نہیں کرتا؟ پوچھو اس سے، کیا ارادے ہیں اس کے، آئے گا بھی یا نہیں؟"

"تم بس یہ کام کرو، باقی کی فکر نہ کرو۔"

"ہمم..... آج ہی فون کروا سے۔"

"سرور میاں نے کسی پہچان والے کو کچھ دن کے لیے رکھا ہے۔"

"نہیں..... کرایے دار ہے۔"

"مجھے ان سب کی نہیں دیا کی فکر ہے، اسے بیاہ کر اس کے گھر بھیج دوں پھر سب سے نپٹ لوں گی۔"

"تمہارے پاس کس لیے.....؟ اکیلی بھی رہ سکتی ہوں..... محتاج نہیں کسی کی تمھاری ماں۔"

اس نے الماری کے پٹ بند کیے۔ پٹ کے شیشے میں اس کا عکس اسے گھور رہا تھا۔

"تم اس کے آنے کی تاریخ پوچھو، میں یہاں تیاری رکھتی ہوں، آئے اور نکاح پڑھوا کر ساتھ لے جائے۔"

"نہیں مزید انتظار نہیں، کہہ دو میں نے کہا ہے، ایک مہینے میں سب کو لے کر یا صرف مرسلین کے ساتھ آ جائے یا پھر مجھے زندگی بھر منہ نہ دکھائے۔"

ہادیہ اپنے کپڑے لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ جب اسے یقین ہو گیا فون بند ہو گیا ہے، تو وہ انھیں کھانے کے لیے بلانے آئی۔

"مہمان کو دے آؤ پہلے۔"

"وہ ہے نہیں ابھی۔"

"آ گیا ہے۔" انھوں نے اطلاع دی۔

"اففف! جانے دادی کے کون سے جملے سنے ہوں گے۔" وہ جھنجھلائی سی باورچی خانے میں آئی۔ ٹرے میں اس کے لیے کھانا نکالا، ہال اور برآمدہ پار کرتے ہوئے دروازہ انگلیوں سے بجایا۔ کچھ توقف کے بعد دروازہ کھلا، اس نے ٹرے آگے کی۔

"تھینکس۔" ایک ہاتھ سے ٹرے لے کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

"جلدی کھاؤ اور جاؤ۔" اس نے دل میں اسے مخاطب کیا۔

اس نے دادی کے ساتھ کھانا کھایا پھر سب سمیٹتے اور برتن دھوتے ہوئے گھڑی کے تین بجانے کا انتظار کرنے لگی۔ دادی کھانے سے پہلے ہی نماز پڑھنے کی عادی تھیں۔ غذا سے شکم پُر ہوتے ہی انھیں نیند آنے لگتی تھی۔ اب بھی وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہال میں آئی تو دادی سو چکی تھیں۔ وہ برآمدے میں آئی، وہاں حسب معمول کرسی پر ٹرے رکھی تھی۔

"چلا گیا۔" اس نے ٹرے باورچی خانے میں رکھی اور اپنے 'کتھارسس باکس' میں آ گئی۔

بند کھڑکی کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئی۔ اسے سامنے کی دیوار ہمہ تن گوش محسوس ہوئی اور وہ شروع ہو گئی۔

"دادی تو اپنی خود مختاری اور غیر محتاجی پر نازاں ہیں لیکن انھیں مجھ سے مرضی اور خواہش پوچھنے کا خیال کیوں نہیں آتا؟ آج تک ایک بار مجھ سے نہیں پوچھا۔ تجھے مرسلین سے شادی کرنا بھی ہے یا نہیں؟ تیری مرضی تو ہے ناں؟ اپنی محبت اور خواہش کا واسطہ دے کر ہی پوچھ لیں، پوچھیں تو۔

اچھا، انھوں نے پوچھ لیا تو تم کیا کرو گی.....؟

میں اس وقت سوچ لوں گی کیا کہنا ہے، ابھی تو مجھے دادی کی اس غفلت پر غصہ آ رہا ہے، وہ میری شادی کی باتیں میرے سامنے یوں کرتی ہیں جیسے اس سارے معاملے سے میرا کوئی لینا دینا ہی نہیں۔

غصہ اس لیے زیادہ ہے کہ چاچا سیدھا انھیں ٹال رہے ہیں مگر وہ سمجھ ہی نہیں رہیں۔ مجھ سے پوچھیں تو میں کہوں ناں کہ دادی ساری عمر دبئی میں رہنے والا آپ کا پوتا ایک دیہاتن سے شادی نہیں کرنا چاہے گا زیادہ امید نہ رکھیں، پھوپھو کو بھی تو دادی کو یہ بات سمجھانا چاہیے، کوئی تمہید تو ہو ہونے والے انکار کی۔" وہ ذرا رکی نہ یہ خیال اسے چونکا گیا تھا۔

"کیا پتا وہ مان ہی جائے! ایسا لگتا تو نہیں، ہاں مگر ناممکن بھی نہیں ہو سکتا ہے چاچا کو بھتیجی پر ترس آ جائے اور ان کی زبردستی کام کر جائے۔" وہ ذرا سا رکی۔

"ویسے مجھے اس وقت غصہ کس بات کا ہے؟ دادی میری مرضی نہیں پوچھتیں، چاچا کا گریز نہیں سمجھ رہیں یا میں اپنی زندگی کے معاملات میں خود مختار نہیں، دوسروں کی محتاج ہوں؟" اس کا انداز ڈھیلا ہو گیا۔

"یا پھر اس لیے کہ دادی اپنی تسلی کے لیے زبردستی مجھے کسی کے سر تھوپ رہی ہیں، وہ انکار کر دے تو کسی اور کی تلاش ہو گی..... ساری عمر میری وجہ سے دادی یہاں رہیں، چاچا اور پھوپھو کے پاس نہیں گئیں، یہ اور بات انھوں نے بھی دلچسپی نہیں دکھائی، اب اس عمر میں بھی میری وجہ سے ان کی نیندیں اڑی ہیں میں نے ان کے لیے مسائل ہی پیدا کیے ہیں۔" معمول کی طرح غصے اور سوالوں سے شروع ہو کر اب وہ خود ترسی اور 'خود دوشی' تک پہنچ گئی تھی۔ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد وہ پھر گویا ہوئی۔

"تو ہادیہ منور! تمہارے پاس اتنے سارے آپشنز ہیں مرسلین اور وسیم..... شکر کرو!" اس نے اسے کو خوب لمبا کھینچا تھا۔

"ارے....." اسے خیال آتے ہی ہنسی آ گئی۔

"ایک وہ بھی تو تھا....."

اسے نہایت شرمیلا، کم گو اور سادہ انصار یاد آیا تھا۔ جس کی اماں اس کا رشتہ دے گئی تھیں مگر وسیم کے منظر پر آتے ہی فوراً بیٹے کی شادی کر دی۔ وسیم سے دشمنی مول لینا نادانی تھی۔ وہ بیٹے سے بالکل مختلف تھیں۔ بیوہ تھیں اور ایک ہی اولاد تھی۔ وہ بہت باتونی اور سارے شہر کی خبر رکھنے والی، جہاں سے فائدہ ملنے کی امید ہو وہاں خوشامدی بن کر پیچھے پیچھے جانے والی۔ بیٹے کو داماد بنا کر ان کا مقصد بھی دادی کی سلطنت میں داخل ہونا تھا۔ دادی نے انھیں مرسلین کے متعلق بتا دیا تھا اور دادی اس خوش فہمی میں تھیں کہ رشتہ طے ہے، یہ علم ہونے پر انھوں نے بیٹے کی دوسری جگہ شادی کر دی ہے، جب کہ حقیقت یہ نہ تھی۔

اس کا فون بجنے لگا۔ ضویا کی کال تھی۔

فرصت مل گئی تمہیں؟



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

"توبہ! السلام علیکم مسلمہ۔"
وعلیکم السلام مصروف مسلمہ۔
تمہاری شادی اور بچے ہو جائیں پھر اس پر بات کریں گے ابھی چھوڑو، تمہاری کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا۔
"ابھی میں 'شادی' پر چلی بھنی ہوں اس لیے چھیڑو مت مجھے۔"
"اچھا اپنے 'کتھارسس باکس' میں ہو۔" وہ ہنسنے لگی۔ اس گوشے کا یہ نام کنفیشن باکس کی طرز پر ضویا نے ہی رکھا تھا۔
"مجھے ابا نے بتایا، نالائق وسیم کا باپ اور وہ کیا کچھ کر رہے ہیں۔"
ہادیہ نے گہری سانس لی۔
"اتنی سی زمین ہے دادی کی، کوئی بہت بڑی جائداد نہیں اور اس میں میرا کوئی حصہ بھی نہیں بنتا پھر یہ چھوٹا سا مکان۔ اس پر اتنی رال ٹپک رہی ہے۔ سوچو ذرا، دادی امیر کبیر ہوتیں تو کیا ہوتا۔"
"زمین نہیں انھیں مکان کی جگہ چاہیے اور دادی نے جس طرح انکار کیا ناں وہ بات انھیں ضد دلا گئی ہے۔"
"ہمم۔۔۔۔۔ یہ باتیں چھوڑو میرا بھالو اور گڑیا کیسے ہیں؟" اس نے ضویا کے بچوں کا پوچھا۔

☆☆☆

اچانک ایک دوپہر پھوپھا اور پھوپھو آ گئے۔
"پہلے فون تو کر دیتی؟" دادی اپنی بیٹی کی من مرضی والی عادت سے نالاں رہتی تھیں۔ مہینوں ملنے نہیں آتیں، ہفتوں کال نہیں کرتیں اور پھر یوں بھی چند گھنٹوں کے لیے آدھمکتیں، وجہ مصروفیات جو دادی کو بہانا لگتی تھیں۔
"بس اماں! قریب کے شہر میں ان کے دوست کے بیٹے کے یہاں پہلی ولادت ہوئی ہے، ادھر گئے تھے۔ وہاں سے جلد فارغ ہو گئے تو میں نے کہا آپ سے ملتی چلوں۔"
بیٹی کی صاف گوئی پر دادی کے دل کو ٹھیس لگی۔ "دنیا داریاں نبھانے کا وقت ہے، ماں کے لیے نہیں۔"
انھوں نے پانی لیے اندر آئی ہادیہ کو مخاطب کیا۔
"دیا بیٹا! کچھ تکلف نہ کرنا، کچھ دیر میں ہی نکلیں گے ہم۔"
"رات کا کھانا کھا کر جایئے گا پھوپھو! آپ اتنے دنوں بعد تو آئی ہیں۔"
"نہیں بیٹا! کھانے کو رکے تو گھر پہنچنے میں دیر ہو گی، زیادہ رات ہو تو مجھے ڈرائیونگ میں بھی پریشانی ہوتی ہے۔" پھوپھا نے کہا۔
پھوپھو، پھوپھا کا اپنا نجی اسکول تھا انھیں فرصت کم ہی ملتی تھی۔ ان کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا۔ دونوں شادی کے بعد آسٹریلیا میں سیٹل تھے۔
تب ہی صحن سے گزر رہے اسد کو دیکھ کر دادی نے آواز دی۔
"اسد بیٹا!" وہ ہال میں چلا آیا۔
"السلام علیکم۔" اندر موجود نئے چہروں کو دیکھ کر اس نے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام، یہ اسد ہے، سرور میاں نے یہاں ٹھہرایا ہے، آؤ بیٹھو۔"
دادی نے بیٹی اور داماد سے اس کا تعارف کروایا۔ وہ صوفے کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہادیہ باورچی خانے میں چلی آئی۔ کھانا نہیں مطلب ریفریشمنٹ کا انتظام ہی کھانے جیسا کرنا ہو گا۔ کھانے کے لیے انکار کرنے والے، مہمانوں کو کیا واقعی احساس نہیں ہوتا کہ اس طرح وہ، میزبان کا کام بڑھا رہے ہیں؟ ان کے یہاں بھی کبھار کے مہمانوں کے لیے بس اسکٹ رکھے ہوتے تھے۔ اب پھوپھا، پھوپھو کو صرف چائے اسکٹ تو نہیں کھلا سکتی تھی۔
"ان کا بھی اسکول ہے۔" دادی نے بتایا۔
"اچھا۔" وہ پھوپھا کی سمت دیکھنے لگا اور انھوں نے اسکول کب کیسے اور کیوں شروع کیا سے لے کر اب تک کی 'سمری' اس کے گوش گزار کر دی۔
"آپ کی پرمٹ جاب ہے یا کانٹریکٹ



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

ہیں پر ہیں یہاں؟" پھوپھا نے پوچھا۔

"دونوں ہی نہیں سر! میرے پاس ایک ڈیڑھ ماہ کا وقت تھا اور یہاں بچوں کو سائنس اور میتھس سمجھانے پڑھانے کی ضرورت تھی، یوں سمجھیں، میں کلاس میں ٹیوشن دیتا ہوں، ریگولر ٹیچر ہیں یہاں لیکن وہ میڈیکل ایمرجنسی کی وجہ سے کلاس لینے سے قاصر ہیں۔"

"ارے وہ صحت مند بھی ہو تو سرکاری اسکولوں اور ٹیچروں کا معیار وہ نہیں ہوتا جو شہر میں ہوتا ہے۔" پھوپھا نے تاسف سے سر ہلایا۔ اسے اس بات سے اختلاف تھا لیکن وہ چپ رہا۔

آپ کی کوالی فیکیشن کیا ہے؟"

"میں فی الحال فزکس میں پی ایچ ڈی۔"

"ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔" پھوپھا نے اس کی بات بھی مکمل نہیں ہونے دی کہ وہ پی ایچ ڈی کی تیاری کر رہا تھا۔ انھیں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد پسند تھے۔ باورچی خانے میں ہادیہ نے 'متاثر ہونے والا منہ' بنایا۔

واہ جی اتنے بڑے طرم خان ہمارے کرایے دار ہیں۔

"کہاں سے ہیں آپ؟" اسد نے پہلو بدلا۔

"آپ نے تو بچے کا انٹرویو ہی شروع کر دیا۔" پھوپھو نے اس کی بے آرامی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی ہماری ہی فیلڈ ہے، کبھی ضرورت پڑ گئی تو دونوں کا بھلا ہوگا۔"

"اب ہر پی ایچ ڈی بندہ تو ٹیچنگ میں دلچسپی نہیں رکھتا۔"

"کہاں سے ہیں آپ؟" پھوپھا نے بیگم کی بات نظر انداز کر کے اپنا سابقہ سوال دہرایا۔

اسد کو جھوٹ کہنے کے لیے کوئی دور دراز کے شہر کا نام بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔ تب ہی اس کا فون بجنے لگا۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ فون دیکھتے ہوئے کھڑا ہوا۔ وہ یہ کال ہرگز ریسیو نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن فی الحال جواب سے بچنے کا یہ ہی ایک راستہ تھا۔

"ضروری کال ہے۔" وہ ہال سے باہر اپنے کمرے کی سمت آیا اور کال منقطع کر کے فون سوئچ آف کر دیا۔ کتنی دیر تک وہ فون ہاتھ میں لیے کھڑا رہا۔

"بتا ہی دیتا، اتنی احتیاط بھی غیر ضروری ہے۔" اسے خیال آیا۔"

کچھ دیر وہ سوچتا رہا، کمرے میں چلا جائے یا واپس ہال میں جائے، آخر ہال میں واپس آ گیا۔

"سوری۔" اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے اس نے معذرت کی۔

"ارے کوئی بات نہیں برخوردار!" دادی اور پھوپھو اپنی باتوں میں مصروف تھیں۔ ایسے میں پھوپھا کو وہ مل گیا۔ کافی دیر بعد وہ دو قسم کے پکوڑے، آلو پیٹس، بسکٹ اور حلوہ لے کر آئی تو چاروں اپنی باتوں میں مشغول تھے۔

"اتنا سب بیٹا! کیوں تکلیف کی خود کو، اب دیر بھی ہو گئی ہے۔" پھوپھو کو اچانک وقت کا احساس ہوا۔

"یہ تو کھانا ہی ہو گیا۔" خوشبو سے پھوپھا کی بھوک چمک اٹھی تھی۔

"آپ لیں۔ میں چائے لاتی ہوں۔" وہ تپائی ان کے قریب کھسکا کر واپس چلی گئی۔

چائے کے کپ سب کے آگے رکھنے کے بعد وہ ان کے درمیان خاموش بیٹھی تھی۔

"کہاں سے ہیں کا جواب نہیں دیا تھا۔" وہ اندر سب سن رہی تھی۔ اب بیٹھی اس کی حرکات و سکنات کا یوں جائزہ لے رہی تھی جیسے اس سے اس کا شہر اور پتا اخذ کر لے گی۔

"اتنا پڑھا لکھا بندہ اس چھوٹی جگہ کیسے اور کیوں آیا ہے؟ سرور چاچا سے پوچھا بھی نہیں انھیں کہاں ملا یہ۔ شکل و صورت عام سی ہے، کپڑے بھی عام سے ہوتے ہیں جینز اور کاٹن کی شرٹس، ایک ہی جوتا پہنتا ہے، غیر ضروری بات نہیں کرتا، نہ تاک جھانک کرتے اور سن گن لیتے پکڑا گیا....." ہادیہ بی بی دل ہی دل میں اس کی 'پروفائلنگ' کر رہی تھی۔

"امیر ہے، فراڈ ہے، متوسط ہے غریب یا شریف۔ یہ رنگت تو یوں لگتی ہے دھوپ میں سنہری



Scanned with CamScanner

www.pkllibrary.com

ہوئی ہے شاید......اور آنکھیں...... ہمم......" اس کی مسلسل نگاہیں تھیں کہ اسد پورا گھوم کر اسے دیکھنے لگا۔ ہادیہ نے گڑبڑا کر نظریں ہٹائیں۔

"اففففف......"

واپس مڑنے سے پہلے وہ لمحہ بھر اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھوپھا، پھوپھو کو گاڑی میں بٹھا کر اور خدا حافظ کہہ کر وہ اندر آیا۔

"میرے لیے رات کا کھانا نہ بنائیں۔" اس نے دروازے میں رک کر دادی سے کہا۔

"ارے بیٹا! ابھی تو مغرب ہوئی ہے، بھوک لگ جائے گی۔"

"اتنا سب کچھ کھالیا، قطعی گنجائش نہیں ہے۔"

وہ تپائی اور صوفے پر پھیلا بکھرا سامان سمیٹ رہی تھی۔ اسے اب یہ بندہ مشکوک لگ رہا تھا۔

☆☆☆

اس کے ننھیال سے خالہ ہی تھیں جو کبھی کبھار آتی تھیں۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ وہ پڑوس کے گاؤں میں رہتی تھیں۔ اکثر ان کے ساتھ ان کا بیٹا ساحل بھی ہوتا تھا۔ نانا، نانی زندہ تھے تب تک عید بقر عید پر وہ فون کر لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھار ملنے بھی آتے تھے۔ ان کے بعد دونوں ماموؤں نے نہ آنے جانے کا معاملہ رکھا، نہ فون پر خیر خبر کا تکلف۔ ہاں اپنے بچوں کی شادیوں کے کارڈ ضرور بھجوایا کرتے تھے۔

آج خالہ تنہا ہی آئی تھیں، یہ کہنے کہ ان کے شوہر دادی سے ملنا چاہتے ہیں۔ دادی بڑی دیر تک ان سے شکایت کرتی رہیں کہ "ننھیال نے اسے مکمل بھلا دیا ہے، کوئی رابطہ کرتا ہے نہ ملنے آتا ہے۔"

خالہ بھی دبے دبے لفظوں میں جتا گئیں کہ دادی نے اسے ننھیال سے دور رکھا ہے، وہ چاہتیں تو ہادیہ ننھیال سے قریب رہ سکتی تھی۔ کب کب انہوں نے ہادیہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا تھا اور دادی نے منع کر دیا تھا۔ پیچھے جاتے جاتے، وہ اس کی امی تک پہنچ گئیں کہ کیسے وہ بھی بہت کم میکے جاتی تھیں۔

خالہ کے جانے کے بعد دادی گڑے مردے اکھاڑتی رہیں پھر تھک کر لیٹ گئیں۔ وہ ان کے سونے تک ادھر ادھر پھرتی رہی اور ان کے سوتے ہی اپنے 'کتھارسس باکس' پر آ گئی۔ چبوترے پر پھونک مار کر دھول اڑائی اور بیٹھ گئی۔

"جانے کس زمانے کی باتیں کرتی ہیں دونوں میں جس وقت تھی ہی نہیں اس وقت کی باتیں مجھے سنانے کا فائدہ؟ اور چھوٹی تھی تب کا بھی مجھے کیسے کچھ یاد رہ سکتا ہے؟ امی کی صورت ہی اتنے جتن سے یاد رکھے ہوں...... قصور وار تو دونوں ہیں۔ دادی نے میرے ننھیال سے مجھے دور رکھا اور ننھیال نے خود کو مجھ سے دور...... ایک دوسرے پر بیٹھے بیٹھے طنز کرنے کی بجائے کسی دن میری رائے تو پوچھ لیں...... وہ سناؤں گی ناں کہ بس......" اس نے پھسلتا دوپٹا پکڑ کر بڑے انداز سے شانے پر اچھالا۔

"دادی، خالہ کو سناتے ہوئے یہ بھول جاتی ہیں کہ چاچا اور پھوپھو نے بھی عین ماموؤں والا سلوک ہی کیا ہے میرے ساتھ نانا نانی ہوتے تب دیکھا جاتا دادی کا مقابلہ تو نانی سے ہی ہو سکتا ہے ناں۔

خالہ بھی تو کبھی کبھار صرف میری خاطر آ جاتی ہیں، پھوپھو تو دادی سے ملنے ہی شاذ و نادر آتی ہیں میری خاطر کیا خاک آئیں گی......

دادی کا بھی کتنا دل دکھتا ہوگا۔ ایک بہو بیٹا ان سے پہلے دنیا سے چلے گئے، ایک بیٹا میلوں دور جا بسا، اب سالوں شکل نہیں دکھاتا اور ایک بیٹی وہ بھی اپنی دنیا میں مست اور مصروف اگر میں نہ ہوتی تو؟ کیا تب بھی چاچا اور پھوپھو دادی کو یہاں یونہی تنہا چھوڑ دیتے یا اپنے ساتھ لے جاتے؟ اففففف تو کیا دادی میری وجہ سے اپنی اولاد سے دور ہیں؟ اور نہیں تو کیا کون اپنی عمر رسیدہ ماں کو تنہا چھوڑے گا۔ کم از کم لوگ کیا کہیں گے، یہ خیال ہی انھیں ماں کو اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور کر دے گا۔

اب زیادہ سینٹی ہونے کی ضرورت نہیں...... فرضی چیزیں اور باتیں، مستھس میں ہی اچھی لگتی

www.pklibrary.com

ہیں۔ زندگی کے مسئلے جو سامنے اور موجود و میسر ہو اس کے مطابق ہی سوچنے اور حل کرنے چاہئیں۔ یہ ہوتا تو ویسا ہوتا اور وہ ہوتا تو ایسا یہ باتیں کنفیوز کر کے اچھے بھلے دل دماغ کو پٹڑی سے اتارنے والی ہیں شش۔"

اس نے تیزی سے اپنا سر ہلا کر گویا سارے منفی خیالات جھٹکنے کی کوشش کی۔

"اس لیے اس ٹریک پر نہ جاؤ ویا!"

پھر اس نے واقعی اس طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے ضویا کو فون لگا لیا۔

"کیسے یاد کر لیا؟"

"واہ! ایسے کہہ رہی ہو جیسے تم تو روز مجھے یاد کر کے فون پر ہی لگی ہو۔"

"میری بات الگ ہے، ایک عدد شوہر، دو عدد بچے اور سسرال، تم ان جھمیلوں سے آزاد ہو۔"

"میرے سر بھی تو ایک جھمیلا ہے اب۔" اس نے مڑ کر کھڑکی کو دیکھا۔

"کیا خاص ہوا آج کہ تم کتھارسس باکس میں ہو؟" وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

"ہا..... "اس نے گہری سانس لی۔ "ہونا کیا ہے، خالہ آئی تھیں آج اور پھر وہی دادی اور خالہ کی تمیز کے دائرے میں مجھ سے زیادہ محبت اور دوسرے کی زیادہ غلطی ثابت کرنے کی کوششیں....." وہ کچھ دیر ٹھہری اور جس موضوع سے دامن چھڑانے کے لیے فون لگایا تھا اسی پر شروع ہو گئی۔

"جب دونوں میری وجہ سے ایک دوسرے کو الزام دیتی ہیں یا فخر سے بتاتی ہیں کہ میں نے تو ویا کے لیے یہ کیا، تم نے کیا کیا۔۔۔۔ تب سچ کہوں، مجھے اپنا آپ بہت بے وقعت لگتا ہے، وہ مجھے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے یا ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے یوں یوز کرتی ہیں جیسے میں۔۔۔۔۔"

"رکو، رکو۔۔۔۔" ضویا نے درمیان میں ہی اسے روکا۔

"اتنا منفی سوچنے کی ضرورت نہیں، یہ جذباتیت ہے اور کچھ نہیں، کیا تمہیں دادی کی محبت پر شک ہے؟"

"نہیں۔"

"بس، یہ یاد رکھو، باقی سب بے کار ہے، یہ دل میں جگہ دینے یا زیادہ سوچنے والی بات نہیں۔ کیا آج کل تم اپنے کتھارسس باکس میں گم جانے لگی ہو؟" شادی کے بعد یہ ضویا کا ہی مشورہ تھا کہ کہیں بیٹھ کر بلند آواز میں ساری سوچیں باہر نکال دیا کرو ورنہ مسلسل سوچتے ہوئے، دل میں رکھ کر اور کڑھ کڑھ کر معمولی بات بھی مسئلہ بن جاتی ہے۔ اس کا ماننا تھا اس طرح خود کی منفی سوچیں اور مفروضے خود ہی رد ہو جاتے ہیں اور اپنے خیال فضا کے سپرد کرنے کے بعد بندہ انہیں دوبارہ نہیں سوچتا۔

اس کا پورا خاندان، سارے رشتے اور ساتھ رہنے والا انسان، سب واحد دادی تھیں۔ اپنے یتیم و یسیر اور تنہا ہونے کا خیال، دیگر رشتوں کی بے رخی اور سرد مہری بھی کبھی اسے منفی خیالات کی طرف لے جاتی تھی۔

ایسے وقت میں ضویا ہی اس کی روشنی اور امید بنتی تھی۔ وہ سچی دوست تھی جس نے اپنے جانے سے پہلے اس طریقے اور کتھارسس باکس کی صورت میں ایک روزن کا انتظام کر دیا تھا۔

"ہاں اب اس کمرے میں کرایہ دار ہے ناں تو بس یہی وقت ہوتا ہے جب وہ نہیں ہوتا اور میں ادھر آ پاتی ہوں۔" اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر بند کھڑکی کو دیکھا۔

"اسے یہ کمرہ دیا ہی کیوں؟"

"اس اکلوتے کمرے کا دروازہ ہی باہر ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔"

"شکر ہے، کچھ دن کی بات ہے ورنہ جانے مجھے کیا کیا جتن کرنے پڑتے یہاں سے بھگانے کے لیے۔" ضویا ہنسنے لگی۔

"کیا جتن کرتیں تم؟"



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

"پتا نہیں...... آدھی رات کو پائل کی چھن چھن سے ڈرائی، روز کھانے میں نمک مرچ تیز کرتی، نہایت بدمزہ چائے بناتی یا کسی رات سفید چادر لپیٹ کر پچھلی کھڑکی سے جھانک لیتی......" اسے تصور کرتے ہوئے ہنسی آ گئی۔

☆☆☆

آج خالہ کے ساتھ خالو بھی آئے تھے اور انھوں نے اپنی آمد کا مقصد بھی مکمل تفصیل سے، کسی بھی ابہام کے بنا فوراً ہی بتا دیا۔ وہ 'کالی' ہادیہ کو اپنے سوہنے بیٹے سے بیاہنے تیار تھے اگر دادی مکان اور کھیت اس کے نام کر دیں۔

خلافِ مزاج خالو کی بات پر دادی ہتھے سے نہیں اکھڑیں بلکہ انھیں کھانا کھلا کر واپس بھیجا۔ خالو نے بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا تھا اور انھیں سوچ سمجھ کر، بیٹا بیٹی سے مشورہ کر کے فیصلہ کرنے کی صلاح دے کر روانہ ہوئے تھے۔

وہ دادی کی خاموشی پر حیران تھی۔ خالہ اور دادی دونوں نے آج کھٹے میٹھے طنز اور طعنوں سے بھی پرہیز کیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد وہ اپنے گوشے میں چلی آئی۔

"لو ہادیہ بی بی! کیا قسمت لے کر آئی ہو ایک اور امیدوار۔ خالو نے تو جو احسان جتاتے ہوئے رشتہ دیا وہ حیرت ایک طرف اس سے زیادہ حیرانی دادی کی چپ پر ہے...... اس میٹرک فیل، اجڈ گنوار کے لیے دادی نے صاف انکار کیوں نہیں کیا؟ باقی کو تو فوراً اپنے فارنر پوتے کا کہہ دیتی ہیں مگر خالو کی بات سن کر چپ بیٹھی رہیں۔ ویسے خالہ جانتی تو ہیں پھر بھی وہ اپنے بیٹے کے لیے آ گئیں۔ دونوں ہی عجیب ہیں۔ وسیم کو صرف گھر چاہیے، انھیں گھر کے ساتھ زمین بھی۔ میں تو" وہ ایک دم چپ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد پھر شروع ہوئی۔

"دادی نے مجھے کبھی اتنا حیران نہیں کیا جتنا ان کا یہ رویہ، کیا وہ چاچا کی ٹال مٹول سمجھ گئی ہیں......؟" سر کے اوپر ہوئے شور پر زبان کو خود بخود بریک لگا اور وہ جھٹ پلٹی۔

کھلی کھڑکی میں اسد تھا۔

"اففففف......" بے اختیار اس نے ہتھیلی سے منہ ڈھانپا۔

"سر میں درد ہے...... اس لیے آج بخش دیں۔" اسد نے جملہ ذرا ٹھہر کے مکمل کیا اور جتاتی مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑکی بند کر دی۔

"یہ...... کیا روز...... ہا!" اس نے دوسری ہتھیلی بھی منہ پر رکھ لی۔ "مگر کیسے......؟

اس نے ایک دن ہی اسے پانچ بجے آتے دیکھا تھا۔ اس کے بعد کبھی نہیں اور اس وقت کو ہی اس کی واپسی کا معمول مان بیٹھی تھی کہ وہ کھانے کے بعد ٹرے، کرسی پر رکھتے ہوئے واپس اسکول چلا جاتا ہے اور شام کو واپس آتا ہے۔ وہ یونہی ہتھیلیوں سے منہ دبائے سرپٹ دوڑی تھی۔

"بہت غلط بات ہے یہ۔" اپنے کمرے میں آنے تک حیرت اور صدمہ غصے میں ڈھل گیا۔

"کھڑکی اتنے آرام سے کھل کیسے گئی......؟ کسی کی باتیں چوری چھپے سننا جرم ہے...... وہ کہے گا کسی کے آرام میں خلل ڈالنا گناہ ہے پھر......؟ وہ اپنی موجودگی کی خبر تو دے سکتا تھا۔ وہ کہے گا، اکیلے ہونے کی تصدیق کرنا تمہارا کام تھا۔ اففففف......"

اسے اپنی ساری باتیں تواتر سے یاد آ رہی تھیں۔ وہ اوندھے منہ بستر پر گر گئی۔

"یا اللہ اس نے جو جو سنا، وہ سب اس کی یادداشت سے محو کر دے، آمین ثم آمین۔" اس نے دل سے دعا مانگی۔

کچھ دیر افسوس کے بعد وہ اٹھ بیٹھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے، کچھ دیر کمرے میں ٹہلتی رہی پھر کسی خیال کے تحت الماری اور درازیں کھنگالنے لگی۔ مطلوبہ اشیاء ملتے ہی واپس اس کے کمرے تک پہنچی۔ دستک پر اسد چونکا۔

"اب کیا؟" اسے یقین تھا وہی ہو گی۔

دروازہ کھولا۔ سامنے ہادیہ کھڑی تھی۔ ہاتھ

www.pklibrary.com

میں چھوٹی سی پلیٹ تھی۔

"یہ ابھی کے لیے۔۔۔۔۔" اس کی انگلی کا رخ ڈسپرین کی استعمال شدہ اسٹریپ کی طرف تھا، جس میں اب بھی چار ٹکیہ باقی تھیں۔

اور یہ آئندہ کے لیے۔" دوسری چیز روئی کا چھوٹا سا گولا تھی۔"

"مطلب باز نہیں آنا۔" اسد نے سوچتے ہوئے ٹرے لے لی۔

"تھینک یو۔" وہ اسے اپنے اخلاق سے شرمندہ کرنا چاہتی تھی، اس کی غیر اخلاقی حرکت کا احساس کرانا چاہتی تھی اور یہاں وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

حسب امید ردعمل نہ ملنے پر ہادیہ نے لب بھینچ کر اسے گھورا اور سر ہلا کر پلٹ گئی۔ روکتے روکتے بھی اسد کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

☆☆☆

دادی اور حوا بی کی مشترکہ سہیلی کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ قریبی شہر میں رہتی تھیں۔ رات میں خبر ملی تھی اور فجر کے بعد ہی دادی حوا بی کے ساتھ سہیلی سے ملنے روانہ ہو گئیں کہ شام سے پہلے واپس آجائیں گی۔ وہ اسے گھر بند رکھنے کی تاکید کر گئی تھیں ساتھ ہی اسد سے بھی ہو سکے تو گھر میں رہنے کی التجا کی تھی۔

"ضروری کلاس ہے، اس کے بعد گیارہ بارہ بجے گھر آجاؤں گا۔" اس نے سعادت مندی سے کہا تھا۔ آج اتوار تھا اور اتوار کو وہ شاید ایکسٹرا کلاس لیتا تھا یا پریکٹیکلز، پتا نہیں لیکن اس دن اس کا زیادہ وقت باہر گزرتا تھا۔

وہ گھر کی صفائی اور باورچی خانہ نپٹا کر ہال میں آئی۔ اس کا ارادہ ٹی وی پر فلم دیکھنے یا کوئی پرانی پڑھی کتاب دوبارہ پڑھنے کا تھا۔ اسے یقین تھا، اسد ہر اتوار کی طرح رات کو ہی گھر آئے گا۔

دروازے پر ہوئی دستک پر اس کا دل سہم گیا۔ وہ شاذ ہی تنہا ہوتی تھی اور وسیم والے واقعات کے بعد یہ پہلی دفعہ تھا۔ دوسری بے صبری دستک، پر وہ دوڑ کر صحن میں آئی۔ ساڑھے بارہ بج رہے تھے، اسد بھی ہو سکتا تھا۔

"کون؟"

"میں ہوں ہادیہ!" وہ انصار کی امی تھیں۔

اس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ اس سے پہلے اندر بڑھ گئیں۔

"کہاں ہے شمس النساء؟" وہ عام طور پر برآمدے کے تخت پر ہی نظر آجاتی تھیں۔

"وہ اور حوا دادی باہر گئی ہیں۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

کہاں؟" وہ تخت پر بیٹھ گئی تھیں۔

"دادی کی فرینڈ کے شوہر کا انتقال ہو گیا گزشتہ رات، وہیں گئی ہیں۔"

"کون سی فرینڈ؟"

شمشاد رفیع الدین۔""

"اچھا۔ مجھے خبر ہی نہیں، مجھے کہتیں تو میں بھی ساتھ چلی جاتی۔" وہ سب اسی بستی سے تھیں اور کم و بیش سب ایک دوسرے کو جانتی تھیں۔

"آپ بیٹھیں، میں چائے بناتی ہوں۔"

"ہم۔" وہ تخت پر پیر سمیٹتے ہوئے گویا ہوئیں۔

کچھ دیر بعد وہ چائے کے ساتھ بسکٹ لیے واپس آئی۔ ان کے سامنے تخت پر ٹرے رکھ کر کرسی تخت کے قریب گھسیٹ کر وہ اس پر بیٹھ گئی۔

"تمہارے چاچا کب آرہے ہیں؟" اس اچانک سوال پر وہ گڑبڑائی مگر وہ جواب کے لیے رکیں نہیں۔

"تمہاری دادی نے تمہیں پوتے کے نام پر بٹھا رکھا ہے، سالوں گزر گئے، بیٹے نے منہ نہیں دکھایا، پوتے کو تو کسی نے دیکھا بھی نہیں۔۔۔۔۔" انھوں نے بسکٹ چائے میں ڈبویا۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

"مجھے تو یہ سراسر رشتے ٹالنے کا بہانا لگتا ہے۔"
بسکٹ چائے سے نکال کر منہ تک لے جاتے ہوئے وہ درمیان میں دغا دے گیا۔ ضرورت سے زیادہ نرم ہوگیا تھا۔ شدید حرارت میں جو ڈبو دیا گیا تھا۔
وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے انھیں دیکھ رہی تھی۔
"اور اب سنا ہے، کسی جوان جہان لڑکے کو گھر میں رکھا ہوا ہے، ایسا کون کرتا ہے؟ ایک جوان لڑکی گھر میں بیٹھی ہے، اس کی شادی کی فکر نہیں مگر چور دروازے اور رستے بتانے والے کام کر رہی ہے تمھاری دادی۔" انھوں نے کپ منہ کے قریب لاکر آدھا بچا بسکٹ پھر چائے میں ڈبویا۔
"مجھے تو لگتا ہے تمھاری شادی ہی نہیں کرنا ہے دادی کو۔" وہ کمال عورت تھیں، دادی کے گھر میں بیٹھ کر پوتی سے ان کے خلاف باتیں کر رہی تھیں۔
"تم ہی آگے آکر کوئی فیصلہ سنا دو ورنہ دادی تو قبر میں پہنچ جائے گی اور تم یونہی بوڑھی ہو جاؤ گی۔"
آدھا بسکٹ اب کے انھوں نے فوراً منہ میں رکھ لیا۔ اچانک اسے احساس ہوا، دادی گھر میں نہیں ہیں یہ جانتے ہوئے وہ تنہائی میں اس سے بات کرنے کے لیے آئی ہیں۔ اسے غصہ آگیا اور ایسے میں مت ماری جانا بعید نہیں تھا۔
"دراصل دادی وقت سے پہلے کسی کو بتانا نہیں چاہتیں۔" اسے دادی سے لاکھ شکوے سہی لیکن کسی اور کو اس کی دادی کی نیت پر شک کرنے کا حق نہیں تھا۔
"لیکن اب آپ سے کیا چھپانا۔" بسکٹ کی سمت بڑھتا ان کا ہاتھ رک گیا۔
"دادی نے گھر میں کسی اجنبی کو نہیں رکھا ہے۔"
"ہیں! کیا مطلب؟"
"دادی ناراض ہوں گی اگر میں نے بتا دیا تو، لیکن آپ اتنی فکر مند ہیں تو سوچا۔ آپ کو مطمئن کر دوں۔ بس آپ تسلی رکھیں، سب کچھ دادی کی خواہش کے مطابق ہو رہا ہے۔"
اس نے مسکرا کر انھیں دیکھا جو ہونق سی اس کی بات کی تہہ تک پہنچ رہی تھیں۔ اسے مزہ آیا۔
"مطلب..... یہ جو....."
"مطلب کچھ نہیں....." اس نے ان کی بات قطع کی۔
"آپ بھول جائیں، میں نے کچھ کہا ہے، یہ کریم بسکٹ بھی تو لیں۔" اس نے پلیٹ ان کے سامنے کی۔
عجلت میں بھی انھوں نے بسکٹوں سے مکمل انصاف کیا اور دادی کو سلام کہنا کہہ کر چلی گئیں۔ ہادیہ کو اس وقت خیال نہیں آیا کہ اتنی عجلت انھیں کس بات کی ہے۔ اپنے طور پر اس نے ان کی اگلی آمد کا باب بند کر دیا تھا۔
ان کے پیچھے دروازہ بند کر کے وہ اپنے کارنامے پر مسکراتی واپس آکر تخت پر بیٹھ گئی۔ پلیٹ میں بچا اکلوتا بسکٹ اٹھایا ہی تھا کہ دروازہ کھول کر باہر نکلے اسد کو دیکھ کر بسکٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کی تیز چیرتی نظر کی شعاعیں دور سے ہی اسے چبھ رہی تھیں۔
"اففففف....."
وہ قدم اٹھاتا اس سے فاصلے پر مگر بالکل سامنے آکر رکا۔ ہادیہ سر جھکائے لب کاٹتے ہوئے اس کے متوقع استفسار کا جواب سوچ رہی تھی۔ جو تواتر سے ذہن میں آرہے تھے مگر ان میں ایک بھی اس وقت اسے ذلیل ہونے سے بچانے والا نہ تھا۔
اس کی غصیلی آواز کی منتظر ہادیہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ، آنکھوں اور ہونٹوں کی جنبش اور کشمکش اچانک اس کا ارادہ بدل گئی۔
طویل ہوتے خاموش وقفے پر اس نے ڈرتے ڈرتے اس کی سمت دیکھا۔
"کچھ دیر میں اسٹوڈنٹس آئیں گے، کلاس کے لیے انھیں یہاں بلایا ہے۔"
"جی....." ہادیہ واضح طور پر حیران ہوئی تھی۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

اسد نے چند سیکنڈ اس کی متحیر آنکھوں کو دیکھا اور پھر پلٹ کر تخت کے قریب رکھی کرسی جگہ پر رکھتے ہوئے کمرے میں چلا گیا۔

"عورت کی مجبوری تم کبھی سمجھ ہی نہیں سکتے علی! کوئی مرد نہیں سمجھ سکتا۔" اس کے کانوں میں کسی کے الفاظ گونج رہے تھے۔

ہادیہ کے متعلق اس کی بری رائے کی عمر، کمرے سے نکل کر اس کے سامنے پہنچنے اتنی ہی رہی۔

"لگتا ہے سنا ہی نہیں یا شاید سمجھ نہیں سکا۔ اچھا ہے لیکن یہ کرایے دار اتنی خاموشی سے واپس آتا ہے، یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

وہ نفی میں سر ہلاتی باورچی خانے میں آ گئی۔ ابھی وقت نہیں ہوا تھا پھر بھی وہ اس کا کھانا نکالنے لگی۔ اسے ٹی وی کے آگے بیٹھنے کے بعد درمیان میں اٹھنا نہیں تھا۔ چار بجے دادی واپس آئیں، اس کے بعد اسد کے اسٹوڈنٹس واپس گئے۔

☆☆☆

دادی اپنے چھوٹے سے تخت پر براجمان اس کے دوپٹے پر کروشیا سے لیس بنا رہی تھیں۔ وہ سلائی مشین برآمدے میں رکھے اپنا جوڑا سی رہی تھی۔ چوڑی دار پاجامہ مکمل ہو گیا تھا۔ قمیص بھی اختتامی مراحل میں تھی تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" وہ مشین روک کر، اسٹول کھسکا کر کھڑی ہوئی۔ دو سیڑھی اتر کر صحن عبور کیا اور دروازہ کھولا۔ سامنے اسد تھا۔

"کک..... کیا ہوا؟" اس کا حلیہ دیکھتے ہی اس کے منہ سے پھسلا۔ وہ ششدر سی اسے اوپر سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ کپڑے اور جوتے ہی گرد آلود نہیں تھے اس کے بالوں میں بھی مٹی اور تنکے لگے تھے، کلائی سے خون رس رہا تھا۔

"اندر آ جاؤں؟"

"آں..... " وہ فوراً ایک طرف ہوئی۔ اسد اندر داخل ہوا اور پیچھے دروازہ بند کیا۔ گنگ اور ساکت کھڑی ہادیہ پر ایک نظر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔

"اررر..... یہ..... یہ کیا ہوا بیٹا؟" دادی بھی حیران سی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئیں۔

"بیٹھو یہاں۔" انھوں نے تخت پر پھیلا سامان ایک طرف سرکا کر اس کے لیے جگہ بنائی۔

"کیسے ہوا یہ؟ گر گئے کہیں؟"

"بائیک والے نے پیچھے سے ٹکر ماردی۔" اسے دیکھتے ہی ہادیہ کو اپنا کل بولا جھوٹ درست ہی تو یاد آیا تھا۔ وہ مرے مرے قدم اٹھاتی اوپر آئی۔

"اللہ غارت کرے یہ گاڑی والوں کو، راستے پر چلنے والے تو نظر ہی نہیں آتے انھیں، میں تولیہ دیتی ہوں، ٹوب بھی ہے زخم والا رکو۔" دادی اندر کمرے میں چلی گئیں۔ ہادیہ کی لاکھ اصلاح کے باوجود ٹیوب کا تلفظ ان کے لیے 'ٹوب' ہی تھا۔'

ہادیہ تخت کے پاس آ کر رکی تو وہ آستین اوپر موڑ رہا تھا۔ کلائی سے خون کی بوندیں اس کی جینز پر ٹپک رہی تھیں۔ وہ اپنے خیال میں اس قدر گم تھی کہ میکانکی انداز میں تخت سے نیا دوپٹا اٹھا کر اس کے زخم پر رکھتے ہوئے وہ اپنی حد سے آگے جا کر کیا اور کیوں کر رہی ہے، جیسا کوئی خیال اس کے آس پاس نہیں تھا۔

اسد نے چونک کر سر اٹھایا۔ جھکی ہادیہ کی نظر اس کی کلائی پر تھی۔ وہ جو آستین اوپر کر رہا تھا، اس نے اپنا ہاتھ وہاں سے ہٹا لیا مگر نظر نہیں ہٹا پایا تھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا اس وقت وہ ذہنی طور پر وہاں موجود نہیں ہے۔ اسے اسد کی نگاہوں کا بھی احساس نہیں تھا۔

اسے یقین تھا۔ یہ اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کی نادانی، بے وقوفی اور بلا سوچے سمجھے بکواس کرنے کا خمیازہ ہے۔

"ویا!" اندر سے دادی کی آواز پر وہ چونک کر اپنے خیالوں سے باہر نکلی۔ یہ احساس ہوتے ہی کہ وہ بے ساختگی اور بے خیالی میں کیا کر رہی ہے۔ وہ فوراً ہاتھ ہٹانا چاہ رہی تھی اور دوپٹا بھی وہیں زخم پر رکھنا



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

تھا، دباؤ ہٹاتے ہوئے پھر خون رسنے کا خدشہ تھا۔ لرزتی پلکیں اور انگلیوں کی حرکت اس کی جھجک اور الجھن عیاں کر رہی تھی۔ اسد نے اس سے نگاہ ہٹا کر کلائی کو دیکھتے ہوئے اس کی انگلیوں کے قریب دوپٹے پر اپنی دو انگلیاں رکھیں۔ وہ فوراً ہاتھ کھینچ کر کے سیدھی ہوئی۔

"جی دادی۔" وہ اندر چلی گئی۔

اسد نے ارد گرد پھیلے ساز و سامان پر نظر دوڑائی اور نظر اس کے زانو سے ہو کر کلائی تک پہنچے کاٹن کے دوپٹے پر ٹھہر گئی۔ تخت پر دھرے اس کے دوسرے سرے میں کروشیا پھنسا تھا۔ کچھ بنتا، سنوارتا، بناتا مگر ادھورا سا۔

"یہ لو۔۔۔" دادی واپس آئیں۔

ان کے ہاتھ میں تولیہ اور ہلدی کا ڈبہ تھا۔ انھوں نے اس کی چوٹ پر ہلدی چھڑک کر دوپٹا واپس رکھ دیا۔ ان کے پیچھے ہادیہ بھی آئی۔ اس کے ہاتھ میں گھر کا فرسٹ ایڈ باکس تھا جو اس نے تخت پر رکھا اور پھر پلٹ گئی۔ وہ تولیے سے کپڑے اور بال جھٹک رہا تھا تب وہ پانی کا گلاس لیے واپس آئی۔

تھینکس۔ اس نے گلاس لیتے ہوئے کہا اور ہادیہ کو لگا یہ طنز ہے۔

"اگر ابھی یہ دادی کو سب کہہ دے تو۔۔۔۔؟ دادی ساری مروت بھول کر یہیں مجھے چپل سے پیٹ ڈالیں گی۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔"

"میں کمرے میں چینج کر کے ڈریسنگ کرتا ہوں۔" اس نے آسمانی دوپٹا کلائی سے ہٹا کر احتیاط سے تخت پر رکھا اور فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ ہادیہ کی نگاہ اس کے زخم پر تھی۔

ہاں ہاں جاؤ بیٹا کسی چیز کی ضرورت ہو تو آواز دے دینا، اس ڈبے میں ٹوب ہے۔

"جی۔" وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔

"اسے کھانا دے آؤ مشین پر بیٹھنے سے پہلے۔"

وہ نہ اسے کھانا دینے جانا چاہتی تھی نہ اب مشین پر بیٹھنے کا دل تھا۔

باورچی خانے میں آ کر اس نے سست انداز میں کھانا نکالنے میں ہی دس پندرہ منٹ لگا دیے پھر ٹرے لا کر دادی کو تھما دی۔

"آپ دے آئیں، میں یہ سب سمیٹ کر مشین اندر لے جاتی ہوں۔"

دادی بھی خلاف معمول مان گئیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس سے معافی مانگے یا اپنی غلطی کا اعتراف کر لے۔ ایسے ہر موقعے پر اسے وسیم اور اس کے گھر والوں پر غصہ آتا تھا، ان کی اگلی حرکت کا سوچ کر بھی کوفت ہوتی تھی، کبھی ڈر لگتا تھا مگر اس بار اس کی دروغ گوئی کی وجہ سے وسیم نے اسد کو ڈرانے اور چوٹ پہنچانے کی کوشش کی ہے، یہ جانتے ہوئے بھی اسے ابھی تک وسیم کا خیال نہیں آیا تھا۔ اسد کی چوٹ اور اس حادثے کی وجہ وہ ہے، اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی۔

نہانے کے بعد اس نے زخم خشک کیا اور اینٹی سیپٹک آئنٹمنٹ لگا کر اسے کھلا ہی چھوڑ دیا۔

"نیا دوپٹا خراب ہو گیا۔" کھانے کے لیے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا۔ وہ کھویا کھویا فکر مند سا چہرہ کہیں نقش ہو گیا تھا۔ سینے میں اس سے جڑا ایک انوکھا سا احساس جاگا تھا۔ اس نے ٹرے سے سفید اور سرخ کروشیے والا رومال ہٹایا۔

جس طرح اسے ٹھوکر مار کر بائیک والا تیزی سے آگے جا کر مڑا تھا، اسے بھی یقین تھا یہ انجانے میں ہوا حادثہ نہیں اور اب ہادیہ کے ردعمل نے یقین پختہ کر دیا تھا کہ اس کا تعلق کل والے جھوٹ سے ہے۔

بلی والے حادثے کے وقت ہی سرور چاچا اسے اس کا پس منظر بتا چکے تھے۔

"عورت اپنے اکثر فیصلے مرضی اور دل سے نہیں بلکہ مجبوری میں اور حالات سے سمجھوتے کے لیے کرتی ہے۔" کھانا کھاتے ہوئے کسی کی باتیں



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

مسلسل اس کے آس پاس سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

☆☆☆

اگلی صبح اسے ناشتہ لے جانے میں معمول سے زیادہ دیر ہوگئی۔ وہ کمرے تک پہنچی تو ایک پٹ وا اور دوسرا بند تھا۔ وہ فون پر بات کر رہا تھا۔

"اور کچھ دن۔"

"ہفتہ دس دن۔"

"اور کہاں جا سکتا ہوں۔۔۔۔۔؟"

"تو بھی امی کی طرح ایک ہی بات مت دہرا۔"

"چل رکھ۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔۔۔" اسد نے فون جیب میں ڈالا اور عجلت میں آگے بڑھ کر دوسرا پٹ کھولا۔ ہادیہ پیچھے ہٹی۔

"سوری۔" کہنا اسے چاہیے تھا لیکن اسد نے معذرت کی۔

"سوری آج دیر ہوگئی۔" اس نے ٹرے آگے کی۔

"تھینکس۔" اسد نے ٹرے لے لی۔ ہادیہ کی نگاہ اس کی کلائی پر تھی۔

وہ روز کی طرح فوراً پلٹی نہیں بلکہ انگلیاں مروڑتی وہیں کھڑی تھی۔

"اس دن میں نے....." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اسد نے کہا۔

"یہ عام سا، ایک معمولی روڈ ایکسیڈنٹ تھا۔" اس کے سانولے نقوش پر ندامت کا رنگ غالب تھا۔

"

وہ پھر کچھ کہنے جا رہی تھی کہ اسد نے سر کے اشارے سے اسے روکا۔

"یہ حادثہ تھا اور اسے بھول جانا چاہیے، بار بار ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔"

وہ ہمیشہ لاتعلق اور فارمل انداز میں بات کرتا تھا۔ اس کے یہ جملے بھی ایسے ہی تھے لیکن۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ ہادیہ نے اس کے چہرے سے نظر ہٹائی۔

"تھینک یو۔" وہ پلٹی تو آج روز والی تیزی نہیں تھی۔ اسد نے بھی دروازہ بند نہیں کیا۔

اسے معمولی حادثہ مان کر بھول جانے کی ان دونوں کی کوشش اسی دن ناکام ثابت ہوگئی۔ وہ دوپہر کو کھانے کے لیے نہیں آیا۔ اس نے دو بار جا کر دروازے پر دستک دی کہ وہ اکثر بے خبری میں آجاتا تھا۔ تیسری دفعہ اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ کمرہ خالی تھا۔ بے شکن بستر، خالی میز، ایک طرف رکھا اس کا بیگ، کرسی کی پشت پر پھیلا تولیہ۔ میز پر اس کا بیگ پیک نہیں تھا جو وہ روز اسکول لے جاتا تھا۔ وہ ٹرے واپس باورچی خانے میں رکھ کر کتاب لے کر برآمدے میں ہی سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ اسے عجیب بے چینی گھیرے تھی۔ عصر کے وقت دادی نے آواز دی۔

"دیا! نماز نہیں پڑھنی؟ وقت نکلا جا رہا ہے۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور وہ یوں بھاگی کہ کتاب فرش بوس ہوگئی۔

دروازے پر اسد کے ساتھ سرور چاچا بھی تھے۔ اسد کے بکھرے بال اور سامنے سے ٹوٹے بٹن اور پھٹی شرٹ پر اس کا دل ڈوب کے ابھرا۔

"سب ٹھیک ہے بیٹا۔" اس کا متوحش چہرہ دیکھ کر سرور چاچا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی اور اندر صحن میں داخل ہوگئے۔

وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔ اسد فوراً اندر نہیں آیا، وہ وہیں کھڑا تھا۔ آگے بڑھ کر سرور چاچا کی طرح تسلی دینے کا اختیار نہیں تھا اس کے پاس اور الفاظ سوجھ نہیں رہے تھے۔ اسے علم نہیں تھا، کچھ خیال دل میں آتے ہی چہرے پر رقم ہو جاتے ہیں۔ ہادیہ کو اس کے چہرے پر پھیلے تاثر نے ہی زیادہ ڈرایا۔ وہاں تحریر 'اس او کے' اس نے ٹھیک سمجھا تھا مطلب پھر کوئی۔۔۔۔۔

"آؤ بیٹا۔" برآمدے تک پہنچ کر سرور چاچا نے پیچھے مڑ کر اسے آواز دی۔ اس نے اندر آ کر پیچھے



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

دروازہ بند کیا۔ یاد یہ اب بھی بت بنی تھی۔ صرف اس کی پلکیں متحرک تھیں۔

"دیا بیٹا!" سرور چاچا نے اسے آواز دی۔ "آؤ، کہاں ہو سب خیریت ہے۔"

اندر جاتے ہوئے اسد نے صحن کے فرش پر پڑی کتاب اٹھا کر تخت پر رکھ دی تھی۔

"ابھی تو پچھلا زخم بھی نہیں بھرا۔" وہ اس کے پیچھے ہال میں داخل ہوئی۔

"سرور میاں اس وقت..... ارے..... یہ کیا ہوا؟" دادی سرور چاچا کے پیچھے اسد کو دیکھ کر ٹھٹھکیں۔

"بیٹھیں آپ آرام سے۔ سب بتاتا ہوں۔" سرور چاچا نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم نماز پڑھو، وقت کم ہے۔" صوفے پر بیٹھتے ہوئے دادی نے اسے یاد دلایا۔ اس نے صحن میں دم توڑتی دھوپ کو دیکھا اور کمرے میں چلی گئی۔ نماز کے بعد اس نے دعا بھی نہیں مانگی اور یونہی دوپٹا لپیٹے ہال میں آئی۔

"پولیس تو پہلے شکایت درج کرنے پر بھی تیار نہیں تھی بڑی بحث کے بعد آخر اسد سر نے اپنے دوست کے والد کو فون کیا جو محکمہ پولیس میں ہے۔ کچھ دیر بعد اوپر سے کسی کا فون آیا تب جا کر تھانے میں سب سیدھے ہوئے ورنہ انھیں بھی علم تھا۔ یہ کس کی کارستانی ہے، وہ دونوں لڑکے وسیم کے یہاں کام کرتے ہیں۔"

"ہوا کیا سرور چاچا؟" دادی جہاں بیٹھی تھیں وہ وہاں صوفے کے پیچھے کھڑی تھی۔

"کچھ نہیں بیٹا۔ دو بدمعاشوں نے اسد سر پر حملہ کیا، ان کا ارادہ شاید مارنا پیٹنا تھا لیکن انھوں نے مقابل کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا، اسد سر نے ان سے مقابلہ کیا، مار کھا کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہم نے تھانے میں شکایت درج کرادی ہے، فکر نہ کرو۔"

اسد سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"پانی پلاؤ اور چائے بناؤ، جاؤ۔" دادی نے اسے وہاں سے ہٹایا۔ وہ کچھ کہے بغیر اندر آ گئی۔

"خالہ! یہ معاملہ اب طول پکڑتا جا رہا ہے۔ وہ بدمعاش لوگ ہیں، انھیں عزت اور نام کی کوئی پروا نہیں، کسی بھی حد تک گر سکتے ہیں۔ آپ یہ مکان انھیں دینا نہیں چاہتیں، ٹھیک ہے لیکن اب دیا بیٹی کی شادی جلد کر دیں اور آپ بھی بیٹے یا بیٹی کے پاس چلی جائیں۔ آپ اشفاق سے صاف پوچھیں، وہ اپنے بیٹے کی شادی دیا سے کرنا چاہتا ہے یا نہیں، یہ والا مسئلہ بھی بتائیں اگر وہ اب بھی آنا کانی کرے تو فوراً کوئی اور رشتہ دیکھ کر دیا کی شادی کریں، میں بھی کوشش کرتا ہوں، اگر وہ اب بھی فوراً نہ آیا تو اشفاق کا مزید انتظار فضول ہے۔" سرور چاچا نے آج کھل کر بات کی۔

"لیکن وہ اسد کو کیوں تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں؟"

"آپ کے گھر میں رہتے ہیں، ہو سکتا ہے انھیں یہاں سے ڈرا کر بھگانے کے لیے یا انھیں لگ رہا ہو یہ آپ کے کوئی رشتہ دار ہیں۔ ان کے متعلق کسی کو زیادہ علم نہیں ہے یہاں، جونیئر کالج میں سائنس میتھس پڑھا رہے ہیں اور آپ کے یہاں رہتے ہیں، سب اتنا ہی جانتے ہیں۔"

"میں شرمندہ ہوں بیٹا میری۔۔۔۔۔"

مجھے شرمندہ نہ کریں۔" اس نے سر اٹھا کر دادی کو دیکھا۔"

"سرور صاحب جو کہہ رہے ہیں، وہ درست ہے۔ آپ دونوں کا یوں تنہا رہنا ٹھیک نہیں۔ میں چند ہی دن ہوں یہاں۔ آپ دونوں کسی رشتے دار کے یہاں چلی جائیں تو بہتر ہوگا۔"

دادی کے دل میں درد کی لہر اٹھی۔ ان کی اپنی اولاد نے دو تنہا عورتوں کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی نہ پاس آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ جانے کس کا بوجھ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا یتیم بھتیجی کا یا بوڑھی سگی ماں کا۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

"ہمم۔" انھوں نے ہنکار بھرا۔

"میں چلتا ہوں اب۔" سرور چاچا نے کہا تب ہی وہ اندر آئی۔

"چائے پی کر جائیں سرور چاچا۔" تپائی پر ٹرے رکھ کر اس نے ان کا مخصوص کپ ان کی طرف بڑھایا۔"

"پانی دو پہلے۔" انھوں نے کہا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے گلاس اٹھا کر انھیں دیا۔ پھر اسی ہاتھ سے ایک کپ دادی کو دیا اور آخری کپ اسد کی طرف بڑھایا۔ سرور چاچا نے گلاس رکھ کر کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"تھینک یو۔" کپ لیتے ہوئے اسد نے دیکھا اس کی پلکیں نم تھیں اور وہ اس کی سمت نہیں دیکھ رہی تھی۔

"شرٹ دے دینا بیٹا، بٹن ٹانک دوں گی میں۔" دادی نے کہا۔"

"جی۔" اسد نے سر ہلایا۔

"اب یہ استعمال کے قابل کہاں۔" ہادیہ نے اس کی شرٹ کو دیکھ کر سوچا۔ دو جینز اور تین شرٹس ہی تو تھیں اس کے پاس۔

چائے پی کر سرور چاچا چلے گئے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد دادی کو جیسے چپ لگ گئی۔ اس نے بھی نہیں چھیڑا۔ اس کے اندر الگ طوفان بپا تھا۔ مغرب کے بعد دادی پھر تخت پر مراقبے میں چلی گئیں۔ پھر کچھ دیر بعد اسے آواز دے کر اشفاق چاچا کو فون لگانے کہا۔ اسے اس کال کے اختتام پتا تھا۔

دادی نے ابتدا ہی سخت سرد لہجے اور تیز آواز میں کی تھی اور حیرت انگیز طور پر آج وہ دو ٹوک بات کر رہی تھیں۔ جب انھوں نے کہا، دیا کو بہو بنانا ہے یا نہیں ابھی جواب دو اور اگر بنانا ہے تو ہفتے کے اندر آ جاؤ،

اشفاق چاچا بھی ماں کے تیور بھانپ گئے۔ انھوں نے جھجکتے ہوئے معذرت کر لی کہ اتنے دنوں سے بیٹے کو راضی کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ نہیں مانتا۔ اسے دبئی میں رہنے والے اپنے ماموں کی بیٹی پسند ہے۔

دادی نے کچھ کہے بنا فون رکھ دیا اور ہادیہ نے سکون کا سانس لیا۔ دادی کی یہ بے کار کی امید ختم ہونا ضروری تھا۔ کچھ دیر وہ روتی رہیں پھر خود ہی پھوپھو کو فون لگایا۔

"اشفاق نے انکار کر دیا ہے۔"

تمھیں تو پتا ہی ہوگا۔" وہ بیٹی سے بھی نالاں تھیں۔"

"اس کے ماموں کی بیٹی جو وہاں رہتی ہے...... ہاں وہی۔"

"اپنا ہی سکہ کھوٹا ہو تو کسی کو کیا دوش دینا۔" بیٹی نے بہو کو گھسیٹا تو انھوں نے کہا۔

"تمہارے جاننے والوں میں دیکھو کوئی اچھا رشتہ۔"

"تمہارے سسرال میں بھی تو کئی شادی لائق لڑکے ہیں۔"

"فر فر انگلش نہیں بولتی تو کیا ہوا باقی۔"

"تمہیں فکر ہی نہیں، ورنہ اب تک ایک آدھ رشتہ تو بتایا ہوتا۔"

"ایسا ہی ہے۔" وہ اب غصے میں تھیں۔

"وہ تمہاری بھی ذمہ داری ہے، غیروں کے بچے پڑھانے کی زیادہ فکر ہے، اپنی بھتیجی کی زندگی سنورے یا بگڑے تمھیں کیا۔"

"رہنے دو، سب جانتی ہوں میں۔" ان کی آواز بہت اونچی ہو گئی تھی۔

"اس کمرے تک دادی کی آواز پہنچ رہی ہوگی۔" اسے الگ ہی فکر لاحق تھی۔

دادی نے فون بند کر کے۔ جانے کس پر گئے تھے ان کے بچے، خود غرض اور بے حس۔ اچھی تعلیم اور بہتر جگہ شادی کے بعد وہ بالکل بدل گئے تھے۔

ان کے شوہر سخت مزاج تھے۔ خود زیادہ پڑھ لکھ نہ سکے تھے مگر بچوں کو خوب پڑھانا چاہتے تھے۔ انھیں



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

پڑھائی اور پڑھائی کے علاوہ کسی دوسری سرگرمی کی اجازت نہ تھی۔ بچوں کے کسی معاملے میں شمس النساء بیگم کی مداخلت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ یہاں سے آزادی ملتے ہی بچوں نے خود کو اس گھر سے بندھی ہر زنجیر سے چھڑا لیا تھا۔ بڑے بیٹے اور بہو کی بے وقت جواں مرگی نے ان کے شوہر کو توڑ دیا تھا۔

اس کے بعد وہ چند سال ہی زندہ رہ سکے۔ اپنی زندگی میں ہی انہوں نے باقی دو بچوں کی بھی خوب دیکھ بھال کر خود سے بہتر گھرانوں میں شادیاں کر دی تھیں۔ اب شمس النساء بیگم کو لگتا تھا ان کی سختیاں اور بندشیں ہی تھیں شاید جو ان کے اور بچوں کے درمیان جذباتی وابستگی نہیں تھی۔ وہ کہیں ماں کو بھی قصوروار گردانتے تھے۔

انھیں یہ خیال کبھی نہیں آتا تھا کہ آج وہ دنیا اور زندگی میں جس مقام پر تھے اس کی سب سے بڑی وجہ باپ کی بے جا سختیاں ہی تھیں۔ یہ سچ شکایتوں کے باوجود والدین کے لیے ان کے دل میں نرم گوشہ پیدا کر سکتا۔ لیکن وہ والدین کے مظالم، قصور اور اس کے برے اثرات ہی یاد رکھے تھے۔ اپنی دانست میں اس طرح وہ اپنے والدین سے مختلف زندگی گزار رہے تھے۔

دادی کو منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے دیکھ کر وہ گہری سانس لیتی کھانا بنانے باورچی خانے میں آ گئی۔

کھانا بنتے ہی اس نے اسد کے کمرے میں پہنچایا۔ آج وہ ٹرے دروازے کے باہر رکھ کر دستک دے کر پلٹ آئی تھی۔ دادی سے پوچھے بنا ان کے آگے کھانا رکھ دیا اور خود عشا کو کھڑی ہو گئی۔ نماز مکمل ہوئی تو دادی کا کھانا ہو گیا تھا۔ اس نے برتن دھوئے بنا یونہی چھوڑ دیے اور کمرے میں سونے چلی آئی۔ نیند کیا آنی تھی۔ اس سے نہ کچھ سوچا جا رہا تھا نہ ہی اب رونا آ رہا تھا۔ بس ایک اداسی سی تھی۔ آخر وہ اداسی کو خود سے لپٹائے نیند کے آغوش میں چلی گئی۔

☆☆☆

اگلی صبح اس کی طرح ہی اداس تھی۔ دادی کے سب سے دیرینہ اور عزیز خواب کے ٹوٹنے کی سوگواری سارے گھر پر چھائی تھی۔ دادی فون لیے جانے کس کس کو اور کیوں فون کر رہی تھیں، اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنی الماری خالی کر کے دوبارہ ترتیب سے رکھنے میں مصروف رہی۔ باورچی خانے میں جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن یہ عیاشی اس کی قسمت میں نہیں تھی۔ کھانا بنانے کے بعد سب سمیٹ کر ہال میں آئی تو دادی اسی کی منتظر تھیں۔

"دیا!" انھوں نے اسے آواز دی۔ وہ جو اپنے کمرے میں جا رہی تھی رک کر انھیں دیکھنے لگی۔

"میں نے تیری خالہ کو فون کر کے بلایا ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ جو ساحل کا رشتہ دے کر گئی تھی، اسے جواب دے کر شادی کی تاریخ پکی کر لوں گی۔۔۔۔ میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔۔۔۔۔"

کس کی زندگی کا بھروسا ہے؟ میری زندگی بھی اتنی ہی بے اعتبار ہے جتنی آپ کی۔ موت کے فیصلے میں عمر کے دخل سے انکار ممکن نہیں۔

"دادی....."

"رات کی سوئی صبح اٹھی ہی نہیں میں تو کیا کرے گی تو؟ مجھے امید نہیں اپنی اولاد سے، وہ یہاں بھی وقت پر پہنچ سکے گی۔۔۔۔۔ میرا کفن دفن تو گاؤں والے مل ملا کر کرا دیں گے، اس کے بعد.....؟" وہ بھی آج کسی مروت اور اشارے کنایے کے موڈ میں نہ تھیں۔

"دس پندرہ دن روئے گی، اتنے ہی دن گاؤں والے، جان پہچان والے کھانا کھلا دیں گے، اس کے بعد..... اپنے چاچا اور پھوپھو سے کوئی امید نہ رکھنا کہ وہ اپنی دنیا چھوڑ کے تیرے پاس ٹھہریں گے، خبر لینے آئیں گے یا تجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔۔۔۔۔"



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

"اکیلے رہ سکتی ہوں میں۔" جیسے وہ دونوں ہی خود اذیتی کے مظاہرے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتی تھیں۔

"بوسونگھتے بھیڑیے پہلے دن ہی نوچ کھائیں گے۔"

"تو آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"صفدر اور اس کا بیٹا لالچی سہی، فرزانہ تیری خالہ ہے، اپنا مارے بھی تو چھاؤں میں ڈالتا ہے، وسیم سے لاکھ درجہ بہتر ہے ساحل، کیا کرنا ہے اس گھر اور زمین کا.....؟ حفاظت اور تحفظ کی یہ قیمت بڑی معمولی ہے۔۔۔" ان کی آواز میں تھکان کے ساتھ اپنے لیے غصہ بھی تھا۔

"واہ دادی! آپ کو ان سب میں 'قیمت' اب بھی مکان اور زمین لگ رہی ہے....." اس کی طنزیہ ہنسی پر دادی کی آنکھ سے ٹوٹ کے گرا اکلوتا آنسو اس نے دیکھا ہی نہیں۔

"واقعی....." کسی خیال کے تحت وہ پر سوچ سی گویا ہوئی۔ "میرا وجود اس گھر، زمین اور آپ کی وجہ سے ہی تو 'موجود' ہے، میری اہمیت ہی مکان زمین اور آپ سے ہے، ان کے بنا میں۔۔۔۔۔" وہ چپ ہو گئی۔

دادی تھکی تھکی سی پلنگ پر لیٹ گئیں۔

"قسمت سے کوئی نہیں لڑ سکتا دیا! اور کتنا انتظار اور کس کا انتظار۔۔۔۔۔؟ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔۔۔۔"

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گئیں۔ ہادیہ دروازے سے باہر نکلی اور برآمدے میں اسد کو دیکھ کر تھم گئی۔ یہ سامنا دونوں کے لیے غیر متوقع تھا۔ وہ جو باہر اپنے گوشے میں جا کر پھٹ پڑنے کو تیار تھی، اب خود کو روک رہی تھی۔ دونوں ساکت تھے، کوئی پلک بھی نہیں جھپک رہا تھا۔ سرخ ہوتی ناک اور آنکھوں کے ساتھ اس کے اندر اپنے نقطہ عروج کو پہنچ چکا لاوا باہر نکلنے کے لیے آتش فشاں کا منہ کھلنے کا منتظر تھا۔ تب ہی باہر کے دروازے پر بے وقت دستک کے ساتھ ہی حوابی کی آواز آئی۔

"میں ہوں دیا، دروازہ کھول۔"

دفعتاً اسد نے پاس رکھی کرسی کو پوری قوت سے ہاتھ مارا۔ وہ زوردار آواز کے ساتھ زمین بوس ہوئی اور اس کے پرزے ٹوٹ کر دور تک بکھر گئے۔

کیا ہوا؟" اندر سے دادی کی گھبرائی آواز آئی۔

"آپ کی دیا گر گئی ہے۔۔۔۔۔" اسد کی نظر اس کے چہرے پر تھی جہاں حیرت اور غصہ ابھرنے لگا تھا۔

"اور وہ رو رہی ہے۔۔۔۔" دیا سانس لینا بھول گئی۔ آگہی کا لمحہ تھا۔ آنکھیں، چہرہ، تیور، گہرائیوں میں رقم حسرت، درد کی سطر، ضبط کے کناروں پہ مچلتی باغی سی لہر، وہ سب کی قربت کا ہنر جانتا تھا۔

اسد پلٹا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ حوابی اندر آئیں اور دادی طرح پلنگ سے اٹھ کر برآمدے تک پہنچیں تو ہادیہ فرش پر بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی۔

"کیسے گر گئی؟ کہاں چوٹ لگی؟ زیادہ درد ہو رہا ہے؟ یہ نگوڑی کرسیاں....." دادی اپنا بھاری وجود سنبھالتی اس کی تیمارداری کی خاطر برف، زندہ طلسمات اور درد والا ٹوب تلاش کرنے لگیں۔ حوابی اسے اٹھا کر اندر لے گئیں مگر اس کا رونا بند نہیں ہو رہا تھا۔ دادی نے پیر پر جہاں ہاتھ رکھ کے پوچھا، یہاں درد ہے؟ اس نے سر ہلا دیا تھا۔ حوابی اور دادی وہاں برف تیل مرہم اور جانے کیا کیا لگا چکی تھیں۔ انھیں وہاں ورم بھی نظر آنے لگا تھا۔

"آرام نہیں ہوا تو ڈاکٹر کے پاس لے جانا اسے کل۔ خدانخواستہ ہڈی وڈی نہ ٹوٹ گئی ہو۔" حوابی نے مشورہ دیا۔

"ہمم۔" دادی کی ہنکار پر سوچ سی تھی۔

ایک تکیے پر سر رکھے اور دوسرا تکیہ سر پر رکھے وہ کتنی دیر چپکے چپکے آنسو بہاتی رہی پھر جانے کب روتے روتے سو گئی۔ آنکھ کھلی تو رات ہو چکی تھی۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

وہ کتنی دیر دم سادھے چھت کو تکتی رہی۔ ایک انتظار جو ہمیشہ اس کا سایہ تھا، وہ ختم ہوا بھی تو کیسے..... کوئی جشن تھا نہ کوئی ہلچل، اس کا دل سہما سہما تھا۔ وہ جس نصاب کے ساتھ امتحان کی تیاری کر رہی تھی اس میں اس شخص اور اُس لمحے کا اندراج نہیں تھا۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ سامنے وہ ہی چہرہ تھا۔

"آپ کی دیا گر گئی ہے..... اور وہ رو رہی ہے۔"

اس نے لمحے میں اس کی طلب اور ضرورت پوری کر دی تھی۔ بند پلکوں کے پیچھے سے نکل کر آنسو تکیے پر پھسل گئے۔

باورچی خانے سے برتنوں کی آواز آئی تو وہ چونکی۔ چہرے سے نمی صاف کر کے اٹھی اور باورچی خانے میں آئی۔

"اٹھ گئی۔۔۔ ادھر کیوں آ گئی؟ کیسا ہے اب پیر؟ آرام کر، کھانا بنا لیا ہے میں نے۔" اسے دیکھتے ہی دادی نے کہا۔

"میرا پیر بالکل ٹھیک ہے۔" اسے احساس ہوا دادی تھک چکی ہیں۔

"میں اٹھ کر بنا لیتی ناں آپ نے کیوں کیا یہ سب؟" اس نے دوپٹا فریج کے ہینڈل میں پھنسایا۔

"آرام کریں آپ، باقی میں دیکھ لیتی ہوں۔"

دادی نے اسے بنا لنگڑائے چلتے دیکھا تو ان کی تسلی ہوئی۔

ٹوب لگا لینا پھر سے، اچھی دوا ہے، اسی سے آرام ہوا ہے۔ دوا پر ان کا بھروسا اب اندھا ہو چکا تھا۔

"جی" وہ آستینیں چڑھا کر سنک کے برتنوں سے نپٹنے کو تیار تھی۔

"برتن دھو کر پہلے مہمان کو کھانا دے دینا۔" دروازے سے باہر جاتے ہوئے انھوں نے اگلا کام بتا دیا۔

اس کا دل کیا دادی کو ہی ٹرے تھما دے لیکن اس کی تیمارداری اور پکانے میں ہی ان کی استعداد سے بڑھ کر مشقت ہو گئی تھی۔

برتن دھونے کے بعد اس نے روٹیاں بنائیں اور ٹرے میں کھانا نکالا۔ کتنی دیر تک وہ یونہی ٹرے کو دیکھتی رہی۔ جو بھی تھا۔ بہرحال یہ کام اسے ہی کرنا تھا۔

"روز تو کرتی ہو، آج بھی وہی کرنا ہے۔" خود کو بہلاتے سمجھاتے وہ دروازے تک پہنچ گئی۔

انگلیوں سے دروازہ بجا کر وہ سوچ رہی تھی ایک اور دستک دے کر ٹرے دروازے کے باہر رکھ کر چلی جاتی ہوں کہ پٹ وا ہو گئے۔

اس نے سر اٹھائے بنا ٹرے آگے کی۔ وہ یونہی کھڑا رہا، ٹرے لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ وہ جز بز ہوئی، اس وقت اسے اپنے تاثرات اور مقابل کی صلاحیت کا بھی احساس تھا۔ چند جذبوں سے بوجھل پل چپکے سے ماضی میں ڈھل گئے تو اس نے آنکھیں اوپر اٹھائیں اور ٹرے 'تنگ نہ کرو، اب لے بھی لو' کے انداز میں مزید آگے کی۔

وہ جیسے اس کے نظر اٹھانے کا ہی منتظر تھا، ٹرے تھام لی۔ بادیہ سیکنڈ ضائع کیے بغیر پلٹ گئی۔

اسد نے پیر سے دروازہ بند کیا، آگے جا کر ٹرے میز پر رکھی اور پلنگ سے پرانا فون اٹھایا جو وہ دستک پر وہیں چھوڑ گیا تھا۔ صبح کا پیغام تھا۔

"آجاؤ علی! اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔۔۔۔ وہ کچھ دن کے لیے ہی آئی ہے، مل تو لو، اپنی شکل ہی دکھا دو اس کو۔۔۔۔ بہت ترسی ہے وہ۔۔۔۔ اس کا انتظار ختم کر دو، پلیز۔۔۔۔"

اس نے فون سوئچ آف کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

وہ ایک الجھن سے بھاگ کر یہاں آیا تھا۔ کیا خبر تھی یہاں الجھ جائے گا۔

فی الحال زیر استعمال نئے نمبر پر بھی الطاف کا پیغام تھا۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

"کتنے جھوٹ بولوں سالے تیرے لیے! آج پھر گھر سے فون آیا تھا۔"

"جب تک میں خود گھر نہیں پہنچ جاتا، کہتا رہ۔" یہ ہی ایک بات وہ اسے مختلف طریقوں سے اتنے دنوں سے کہہ رہا تھا۔ فون میز پر رکھ کر وہ ٹرے کی طرف متوجہ ہوا۔

اوپر پھیلا کپڑا ہٹایا۔ ٹرے میں روٹی، چاول، دال کے علاوہ بھنڈی بھی تھی۔

"دہی والی بھنڈی اسے بہت پسند ہے، اس سے بنتی بھی بڑے مزے کی ہے۔"

جب سے آنے کی اطلاع ملی تھی، سامعہ اکثر ذکر کرنے لگی تھیں۔ اس دن سامعہ کی بات پر اس نے دستر خوان پر رکھی بھنڈی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اور نہ اس کے بعد پھر خود کو بھنڈی کھانے کے لیے تیار کر پایا تھا۔ گویا چھوڑ کر جانے والے کی سزا وہ اس کی پسندیدہ چیز کو ٹھکرا کر دے رہا تھا۔

ٹرے میز کے کنارے کی طرف کھینچ کر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد کھانا ختم ہوا تو صرف تھوڑی سی دال بچی تھی۔

☆☆☆

دادی اور اس کی اس کے بعد کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے کام نپٹا کر فارغ ہوئی تو دادی سو رہی تھیں۔ کل کی جسمانی اور ذہنی تھکان کا اثر تھا کہ وہ یوں بے وقت سوئی تھیں۔ اسے کل کی اپنی تلخی کا خیال ستا رہا تھا۔ رات بھر سوچ سوچ کر اس نے اداسی اپنے اندر اتار کر ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے دل میں سر اٹھاتی کونپلوں کو کچلنے اور اس چہرے اور نگاہوں کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کچھ دن کا بے نام، خاموش، چند لمحوں میں مقید کوئی تعلق دادی سے اہم کیسے ہو سکتا تھا۔

اس کے فون میں ضویا کی کئی مسڈ کالز دیکھ کر وہ فون لیے اپنے گوشے میں چلی آئی۔ یہ اسد کے اسکول کا وقت تھا سو وہ بے فکر تھی۔

ہیلو۔۔۔۔سوری یار! فون کدھر پڑا تھا مجھے خبر ہی نہیں تھی۔

"شکر اب خبر تو لی اس کی۔۔۔۔۔ کیا چل رہا ہے وہاں...... ؟ ابا نے بتایا مجھے، وسیم نے کیا کیا ہے۔"

"وہ تو کوئی خبر نہیں، خبر یہ ہے کہ چاچا نے فائنلی دادی کو انکار کر دیا۔"

"کیا......؟" وہ چیخی۔

"ہاں اور پھر پھوپھو نے میری شادی کے سلسلے میں کسی مدد کے سوال پر انگوٹھا دکھا دیا اور اب دادی خالہ کے ساحل سے میری شادی کی تاریخ پکی کرنے جا رہی ہیں۔"

"ہیں...... وہ ساحل۔۔۔۔؟"

"ہاں وہی جس کے ابا نے رشتہ دیتے ہوئے یہ شرط رکھی تھی کہ مکان اور زمین داماد کے نام کر دی جائے۔"

"لیکن دادی وہاں کیوں کر رہی ہیں، اس سے اچھے رشتے مل جائیں گے۔"

"ان کا کہنا ہے خالہ سگی ہیں اور اپنا مارے بھی تو چھاؤں میں ڈالتا ہے۔"

"میں ابا سے کہتی ہوں وہ دادی سے بات کریں گے۔"

"رہنے دو ضویا! جہاں دادی کہہ رہی ہیں ہو جانے دو۔"

"پاگل ہو گئی ہو۔۔۔؟ ابھی رشتے دیکھے، ڈھونڈے ہی نہیں۔۔۔۔ ابھی تلاش کریں گے تو دیکھنا۔۔۔۔" وہ ہنس پڑی۔

"ضویا پیاری! دادی نے کالج کے دوران بہت رشتے والیوں سے کہہ رکھا تھا، میری عام سی صورت، گہری رنگت، میری یتیمی، ماں باپ کھو دینے کی منحوسیت، اردو میڈیم کی واجبی تعلیم اور جانے کیا کیا وجوہات بتا کر میں ریجیکٹ ہوئی ہوں اب تو سب بھول گئی میں۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ دادی اشفاق چاچا پر تکیہ کیے تھیں جیسے وہ آنکھوں دیکھی مکھی نگل لیں گے، اپنے جو ہیں۔" اس کی آواز کی تلخی اور

www.pklibrary.com

نمی ضوبیا کو تڑپا گئی۔

"اور پھر دادی میری وجہ سے کتنی فکر مند ہیں، تمہیں اندازہ نہیں۔ یہ ویم والے حادثوں کے بعد وہ میری حفاظت کی خاطر مجھے تحفظ فراہم کرنا چاہ رہی ہیں، مرتضیٰ جیسا محافظ ہم افورڈ نہیں کر سکتے، اس لیے ایک جائز محرم رشتہ اور ایک چھت پر اکتفا کرنا مجبوری ہے۔ وہ خوف زدہ ہیں، خدانخواستہ انھیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہو گا۔ ان کی جلد بازی اپنی عمر کی وجہ سے ہے اور وہ غلط بھی نہیں ضوبیا۔ اللہ انھیں ایک طویل عمر دے لیکن اپنی اس دعا اور خواہش کے ساتھ بھی میں ان کو مطمئن اور پرسکون دیکھنا چاہتی ہوں جو میری شادی کے بعد ہی ممکن ہے۔ موجودہ آپشنز میں جو بہتر ہے، دادی نے اسے ہی منتخب کیا ہے۔"

"تم کیوں اتنی نا اُمیدی کی باتیں کر رہی ہو؟"

"یہ نا امیدی نہیں، حقیقت ہے، خواب اور مفروضوں کے سہارے نہیں زندگی کے فیصلے اپنی چوکشن اور میسر آپشنز دیکھ کر ہی کیے جاتے ہیں۔"

اس کا جملہ اسد کے دل پر ٹھیک نشانے پر لگا۔ یہی تو کوئی اسے کب سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"دیا! تم پڑھی لکھی باشعور سمجھ دار لڑکی ہو۔ تمہاری خالہ کے یہاں ساحل ہی بمشکل چند جماعتیں پاس ہے۔۔۔۔۔ باقی سارے گنوار ہیں، عورتوں کو پیر کی جوتی سمجھنے والا عجیب ماحول ہے وہاں کا، تم انکار کا حق اور اختیار رکھتی ہو، دادی زبردستی نہیں کریں گی۔"

"میں انکار نہیں کروں گی ضوبیا۔ میرے پاس عورت کو پیر کی جوتی سمجھنے والا اور ایک آوارہ بدمعاش ان ہی دو مردوں کے آپشنز ہیں، اس میں خالہ کا گھر ہی غنیمت ہے اور یہ غنیمت ہی فی الحال میرا نجات دہندہ ہے۔"

"دیا۔۔۔۔"

"ضوبیا! مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو ڈیر۔ میں سب جانتی ہوں، تم جو کہنا چاہتی ہو لیکن خود کو میری جگہ رکھ کر دیکھو، دادی کے علاوہ کون ہے میرا۔۔۔۔ ان کی بقیہ زندگی کا سکون اور میری بھلائی اسی میں ہے۔ چاچا اور پھوپھو کو اپنی ماں کی فکر نہیں، وہ میرے لیے کیا اور کیوں کچھ کریں گے؟ اب یہاں اس گھر میں دادی کے ساتھ رہنا بھی خطرناک ہے۔ ایسے میں کیا کیا ہو سکتا ہے، کیا کیا راستے نکل سکتے ہیں، یہ سب الفاظ اور خوش کن خیالات ہیں، حقیقت وہ ہے جو میں کہہ رہی ہوں۔ مزید ٹال مٹول اور حقائق سے نظر پوشی برے نتائج کے ساتھ عمر بھر کے پچھتاوے ہی دے گی۔"

"مجھے نہیں اچھا لگا یہ فیصلہ۔"

"فیصلہ اچھا ہے یا برا، یہ پرکھنے کی رعایت اور وقت نہیں میرے پاس۔ کم برا، کم نقصان دہ اور جو فی الوقت درپیش مسائل حل کر دے، وہ فیصلہ کیا ہے میں نے۔"

"تمہاری عمر اتنی نہیں نہ تم میں ایسی کوئی خامی یا عیب ہے جو ساری عمر کے لیے خود کو آزمائش میں ڈالنے والا فیصلہ کرو۔"

"یہ ہی سب سے بڑا عیب اور خامی ہے ضوبیا! کہ میں تنہا زندگی نہیں گزار سکتی، میں چاہ کر بھی بنا شادی کے نہیں رہ سکتی، مناسب رشتے کا انتظار نہیں کر سکتی، عزت اور زندگی بچانے کے لیے ایک ہی راستہ نظر آ رہا ہو تو اسی پر قدم رکھنا لازم ہے۔ میرے پاس ایک ہی رشتہ ہے جو مجھے دنیا میں سب سے عزیز ہے، اس عمر میں ان کا سکون اطمینان چھیننے کا گناہ نہیں کر سکتی میں اور دادی کے کہے ان کہے اندیشے غلط بھی نہیں ہیں۔"

"ابھی شادی کی تاریخ نہ لینا، میں ہی دادی سے بات کرتی ہوں۔"

"تم کیا کرو گی؟"

"مجھے کوشش تو کرنے دو، یہاں وہاں ہاتھ پیر مار کر تمہارے لائق لڑکا تلاش کرتی ہوں، کیا پتا کسی کونے کھدرے میں مل ہی جائے۔"

آل دا بیسٹ۔ یاد رکھو، دادی خالہ کو ٹون کر چکی

www.pklibrary.com

ہیں، وہ کسی بھی دن آجائیں گی۔"

"ہاں ہاں۔۔۔۔۔ رکھو فون تاکہ میں کام پر لگوں۔" ہادیہ نے ہنستے ہوئے فون بند کردیا۔

"اللہ حافظ۔"

وہ فون ہاتھ میں لیے یونہی بیٹھی تھی، پیچھے کھڑکی کھلنے پر تھم گئی۔ اس بار وہ پلٹی نہیں۔ کل رات سے وہ اس کھڑکی اور اس کمرے کے مکیں سے جڑے ایک نئے احساس کو کیسے کیسے جبر اور سختی سے کچلے جا رہی تھی، یہ ہادیہ اور اس کا رب ہی جانتا تھا۔ وہ یونہی بیٹھی رہی۔ لڑکھڑاہٹ سے بچنے کے لیے ضروری تھا وہ نہ کھڑی ہو، نہ مڑے، نہ دیکھے۔

وہ اس کے پیچھے مڑنے کا منتظر تھا لیکن اس کا انداز بتا رہا تھا وہ ہلے گی نہیں۔ پیچھے سے اس کے چہرے کا ایک ہی رخ نظر آرہا تھا۔

اتنے محدود آپشنز نہیں۔۔۔۔۔" ایک بار پھر ہادیہ سانس لینا بھول گئی۔ "مزید کی گنجائش بھی ہے۔"

"اففف!" اس نے آنکھیں میچ لیں۔ وہ اٹھ کر بھاگنا چاہتی تھی لیکن وہ پتھر ہوگئی تھی۔ پیر زمین چھوڑنے سے انکاری تھے۔

اسد اگلی بات کے لیے کمرے سے نکل کر باہر اس کے سامنے جانا چاہتا تھا تب ہی اس کا فون بجا۔

"ہیلو۔" اس خاموشی میں رنگ کی آواز بڑی ناگوار گزر رہی تھی، اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"جی سر، کمرے میں مل گئے ہیں پیپرز، مجھے غلط یاد رہ گیا تھا کہ اسکول کی الماری میں رکھے تھے۔"

ہادیہ نے ساری ہمت مجتمع کر کے وہاں سے دوڑ لگائی اور سیدھے کمرے میں آکر دروازہ بند کر کے بستر پر ڈھے گئی۔

"جی سر آرہا ہوں۔" اس نے فون بند کر کے دیکھا۔

"اتنا بھی کافی ہے۔" اس نے سوچا۔ میز سے بچوں کے جانچے ہوئے ٹیسٹ کے پرچوں کا پلندہ اٹھایا اور کمرہ بند کر کے باہر نکل گیا۔ ہال میں دادی سوئی نظر آئیں۔ ہادیہ کہیں نہیں تھی۔

وہ اسکول کے گیٹ پر پہنچا تھا کہ پھر فون بجا۔ اسکرین پر 'ٹو کالنگ' جگمگا رہا تھا۔ اب تک ابو نے اسے فون کیا تھا نہ کوئی پیغام بھیجا تھا۔ اس سارے معاملے میں انھوں نے ہی اس کا موقف سمجھا تھا۔

"کوئی زبردستی نہیں ہے علی بیٹا! تمھیں جو مناسب لگتا ہے وہ کرو، کسی کے دباؤ میں آکر مرضی کے خلاف کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، مجھے تمھارا ہر فیصلہ دل سے قبول ہے۔"

ان کی اس بات کے بعد ہی اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا۔

السلام علیکم ابو۔" اس نے کال ریسیو کی۔

☆☆☆

دادی نے دروازہ بجایا تو وہ چونکی۔

"یہ بے وقت سو کیوں رہی ہے؟" خود بے وقت کی نیند لینے کے بعد اب انھیں اس کے لیے تشویش ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"بے وقت میں نہیں آپ سوئی تھیں۔"

"ظہر کا وقت ہو گیا تھا تو مجھے اٹھا دیتی۔" اس نے چونک کر گھڑی دیکھی۔ اسے بھی کہاں وقت کا احساس تھا۔

مہمان کو کھانا دے آؤ، میں نماز پڑھ لوں تب تک۔

اسے دادی کے اٹھتے ہی اپنی بحث کے لیے معافی مانگ کر ساحل کے لیے اپنی رضامندی ان تک پہنچانے کی جلدی تھی مگر اب وہ ان سے کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ ان دو جملوں کے بعد اسے یہ بھی بھول گیا تھا کہ کبھی یہ ہی بندہ اسے مشکوک لگا تھا۔ کل رات کی اذیت اور فیصلہ بھی کہیں پس پشت چلے گئے تھے۔

پہلی بار اس دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ تیسری اور پھر



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

چوتھی دستک پر بھی اندر کوئی آہٹ نہ ہلچل ہوئی تو اس نے ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ اندر دھکیلا۔ کمرہ خالی تھا۔ اس نے جھانک کر میز کی سمت دیکھا۔ وہاں اس کا بیگ پیک نہیں تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے پلٹ گئی۔

آج وہ دادی کے ساتھ برآمدے اور ہال میں ہی منڈلاتی رہی۔ عصر ہوئی پھر مغرب اور اب دور سے عشاء کی اذان کی آواز آرہی تھی۔

اسے ڈر لگ رہا تھا، وسوسے اور وہم ستا رہے تھے۔ اس بار وسیم نے کوئی نیا طریقہ نہ اپنایا ہو۔ بار بار اس کا دل چاہ رہا تھا ایک بار پھر کمرے میں جا کر دیکھے لیکن وہ دوپہر سے صحن اور برآمدے میں ہی تھی اور اس کے آنے کا یہ ہی ایک راستہ تھا۔۔

"کھانا نہیں بنانا آج دیا؟" اسے برآمدے کی سیڑھی پر بیٹھے دیکھ کر دادی نے پوچھا۔

"دوپہر کا ہی بہت بچا ہے دادی اور مجھے بھوک بھی نہیں۔"

مہمان کو ایک ہی کھانا دو بار کھلائے گی؟ اچھا نہیں لگتا، اس کے لیے ہی تھوڑا بنا لے کچھ۔""

"مہمان نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"ہیں..... کیوں؟"

آپ کا مہمان صبح سے اب تک واپس نہیں آیا ہے۔""

"ارے۔۔۔۔۔ پہلے کیوں نہیں بتایا..... فون دے ذرا میرا، سرور میاں سے پوچھتی ہوں۔"

وہ کتنی بار یہ سوچ چکی تھی کہ سرور چاچا کو فون کر کے پوچھے مگر لحاظ اور شرم آڑے آرہی تھی۔ اس نے فون ان کو تھمایا۔ پچھلے واقعات کی روشنی میں دادی کی تشویش بھی جائز تھی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ وہیں کھڑی رہی۔

"اچھا اچھا۔۔۔۔۔" انھوں نے فون رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" اس کی گھبراہٹ عروج پر تھی۔

"سرور میاں ادھر ہی آرہے ہیں۔"

وہ پھر صحن میں چلی آئی۔ ذرا دیر بعد دستک ہوئی اور اس نے یا اللہ خیر کا ورد کرتے ہوئے دروازہ کھولا۔ خلاف امید سامنے صرف سرور چاچا کھڑے تھے۔

"کیا ہوا؟" اس کا چہرہ دیکھ کر انھوں نے پوچھا۔

آں۔۔۔۔۔ کچھ نہیں..... السلام علیکم۔۔۔۔۔ آئیں ناں۔۔۔۔۔""

وہ ان کے لیے پانی لینے باورچی خانے میں آئی۔

"کیسے فون کیا تھا؟ کوئی کام ہے؟"

"کام کیا ہوگا، اسد میاں صبح سے آئے نہیں، ان کا پوچھنے فون تھا۔"

"وہ چلے گئے ہیں، مل کر نہیں گئے؟" پانی سے بھرا گلاس ہادیہ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔"

"کیا گرایا؟" دادی نے آواز لگا کر پوچھا۔ وہ کہاں کچھ کہنے کے قابل تھی۔

اس نے گلاس اور پانی یونہی چھوڑا اور دوسرا گلاس بھر کے باہر آئی۔

"سلیپس مکمل ہو گیا تھا، ٹیسٹ بھی کئی لے لیے، الحمدللہ اتنے کم وقت میں بہت اچھی تیاری ہو گئی ہے بچوں کی۔ پہلا ہی رزلٹ اسد سر کی وجہ سے شاندار آئے گا ان شاء اللہ۔" انھوں نے ہادیہ کے ہاتھ سے گلاس لیا۔

"مل کر تو جانا چاہیے تھا۔" دادی کو افسوس تھا۔

"آپ شاید سو رہی ہوں گی، دوپہر میں کسی وقت گئے ہیں۔" وہ نہ کھڑی ہوئی تھی نہ مڑی تھی نہ دیکھا تھا پھر بھی لڑکھڑا گئی تھی۔ وہ سن ہوتے ذہن کے ساتھ واپس باورچی خانے میں آئی۔ فرش پر پھیلے پانی پر کپڑا پھیرتے ہوئے اس نے اندر نمی بڑھتی جا رہی تھی۔ سرور چاچا کو چائے دے کر وہ کمرے میں چلی آئی۔

پلنگ پر آتے ہوئے وہ آئینے کے سامنے ٹھہر گئی۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

"میری عام سی صورت، گہری رنگت، میری یتیمی، ماں باپ کھو دینے کی منحوسیت، اردو میڈیم کی واجبی تعلیم اور جانے کیا کیا۔۔۔۔۔" اس کے اپنے ہی الفاظ اس کے آس پاس گونجنے لگے۔

"تم بھول کیسے گئی تھیں؟" آئینے میں عکس کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

وہ مزید کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ بہت سارے جواز، بہانے، سوال جواب، ایسے ویسے بہلاوے ہمک ہمک کر اس کی توجہ اپنی جانب کھینچنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اس نے بے حسی کی چادر اوڑھ کر سب سے نظر پھیر لی۔ ذرا سی دیر میں ہی اس نے ہر جذبے سے بے نیازی برتنے کے لیے خود کو برف کر لیا تھا۔ آنسوؤں کو ایسی آنکھیں دکھائی تھیں کہ وہ پلکوں کو چھونے کی ہمت نہ کر سکے اور اندر ہی کہیں گم ہونے لگے تھے۔ دادی اسے دیکھنے آئیں تو وہ سوئی بن گئی۔

☆☆☆

صبح ویسی ہی تھی جیسی ایک ماہ اور دس دن پہلے ہوا کرتی تھی۔ اسے کسی تیسرے کا ناشتہ نہیں بنانا تھا۔ روبوٹ کی طرح سارے کام نپٹانے کے بعد اس نے پائپ لگا کر صحن دھونا شروع کر دیا۔ وہ ہمیشہ اس کام میں اتنا تھک جاتی تھی کہ پھر بقول دادی مردوں سے شرط لگا کر سوتی تھی۔

"مہمان والا کمرہ بھی صاف کر لیتی۔۔۔۔ وہاں کا سامان بھی ادھر لے آ۔" وہ گیلے کپڑے نچوڑ کر ہال میں آئی تو دادی نے کہا۔

ابھی نہانے جا رہی ہوں، کل کر لوں گی۔""""

کل اس نے ہال کی سیٹنگ تبدیل کرنے کا کام نکال لیا۔ جھاڑ پھٹک کر کونہ کونہ چمکایا پھر چیزوں کی جگہیں بدل دیں۔ اس میں سارا دن گزر گیا۔

اس کے کان دروازے پر دستک کے منتظر تھے کہ کس دن خالہ آتی ہیں اور آخری کیل ٹھونکی جاتی ہے۔

اس کے اگلے دن اس نے باورچی خانہ پھیلایا۔

"کیوں تھکا رہی ہے خود کو؟" دادی کو یہ روز کی کھٹ پٹ ناگوار گزر رہی تھی۔

"آپ میری شادی کر کے مجھے یہاں سے دور بھیج رہی ہیں تو جانے سے پہلے یہ صفائی بھی تو ضروری ہے، آپ سے کہاں کچھ ہوگا پھر۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تیرے بعد کسے رہنا ہے یہاں، چھوڑ دے سب جیسا ہے۔" دادی نے دھیرے سے کہا۔

"میں نے سرور میاں کے ذریعے وسیم کو کہلوا دیا ہے تیری شادی کے بعد یہ گھر اسے دے دوں گی۔"

اس لمحے اسے دادی بڑی شکست خوردہ محسوس ہوئیں۔ شوہر کے بعد اس قصبے میں تنہا ایک عمر خودداری اور رعب و دبدبے کے ساتھ گزارنے کے بعد اب وہ بے بس تھیں۔ اپنوں نے ہی اندھے اعتماد کی سزا دی تھی انھیں۔

"اور آپ کہاں رہیں گی؟"

"میں شبانہ کے پاس چلی جاؤں گی۔"

وہ کہہ کر دروازے سے پلٹ گئیں۔ جس بیٹی سے انھیں ہزاروں شکایتیں تھیں، اب وہ اس کے بلائے بنا زبردستی اس کے پاس جا کر رہنے تیار تھیں۔

ہادیہ کو رونا آ گیا۔ کیسی محتاجی تھی ان دونوں کی۔

"میری پیاری دادی! میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی میرے ساتھ رہنا۔"

اگلی صبح اس کے جاگنے سے پہلے دادی بازار جا کر گوشت اور دیگر لوازمات لے آئی تھیں۔ چار پانچ افراد کا کھانا تیار کرنے کے ساتھ اسے نیا جوڑا پہن کر تیار ہونے کا حکم دیا تو وہ سر ہلا کر کام میں جت گئی۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

وہ کھانا تیار کر کے باورچی خانے سے نکلی تو حوا بی آ گئیں۔ ان دونوں کو سر جوڑے باتیں کرتا چھوڑ کر وہ نہانے چلی گئی۔ کمرے سے باہر آئی تب بھی وہ دونوں ہال میں سامنے کاپی اور پین لیے مصروف



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

تھیں۔

"روبینہ کا بیٹا جانتا ہوگا، اس سے پوچھنا پڑے گا اس کا پتا۔" دادی اپنی کسی سہیلی کا ذکر کر رہی تھیں۔

"ہمم۔" وہ مہمانوں کی فہرست ترتیب دے رہی تھیں۔

"چائے بنا دے دیا۔" اسے دیکھتے ہی حوابی نے کہا۔

اس نے گیلے بالوں کو کچر میں جکڑا اور ان دونوں کو چائے دے کر اپنا کپ لے کر کتھارسس باکس میں آگئی۔ بند کھڑکی اور سامنے دیوار کو دیکھے بنا وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ آج کمرا خالی ہونے کا یقین ہوتے ہوئے بھی اس کا کچھ کہنے کا دل نہیں چاہا۔ وہ دو دن سے ضویا کا فون بھی نہیں اٹھا رہی تھی۔ وہ ہاتھ میں تھامے کپ کو دیکھتی رہی۔

ابھی پہلا گھونٹ ہی لیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"دیا!" دادی نے اسے پکارا مگر وہ یونہی بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد شاید حوابی نے دروازہ کھولا تھا۔ صحن سے باتوں کی ہلکی آوازیں آنے لگیں۔ ذرا دیر بعد وہ سب ہال میں چلے گئے تو پھر خاموشی چھا گئی۔

چائے کا کپ نیچے رکھتے ہوئے دوپٹے کا ایک سرا ڈھلک کر گود میں آن گرا۔ اس نئے آسمانی دوپٹے سے خون اور ہلدی کے داغ مٹ نہیں پائے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھ کی انگلیوں میں پکڑ کر وہ حصہ سامنے پھیلایا اور خود کو برف کر لینے کا بھرم مٹی کا ڈھیر ثابت ہوا۔ آنسو دوپٹے پر گرنے لگے۔ اس نے آنسو روکنے کے لیے سر اونچا کیا اور سامنے دیوار پر نظر پڑتے ہی آنسوؤں میں روانی آگئی۔ اپنے کتھارسس باکس کی جس دیوار کو وہ 'سنایا' کرتی تھی، اس پر چاک سے فون نمبر۔۔۔۔۔ نہیں، وہ چند اعداد فون نمبر نہیں تھے، وہ اس کی کتھارس کے لیے کسی کا شانہ تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر کھڑکی کو دیکھا۔

"کاش ہمیشہ کی طرح یہ آج بھی اچانک کھل جائے!" اس کے اندر شدت سے خواہش جاگی۔

تب ہی کسی نے اندر سے کھڑکی کے دونوں پٹ باہر دھکیلے۔

☆☆☆

اسے نہیں یاد کبھی کسی نے اسے بٹھا کر بتایا تھا یا نہیں لیکن ہوش سنبھالتے ہی وہ جانتا تھا جنھیں وہ امی ابو کہتا ہے وہ دراصل اس کے خالہ خالو ہیں۔ بڑی باجی، پھر اس سے چھوٹا حسان اور سب سے چھوٹی روشن کے ساتھ اسے کبھی اپنے ان سے الگ ہونے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اس کی حیثیت گھر کے بڑے بیٹے کی تھی۔ باجی، حسان، روشن اور اس کی محبت مثالی تھی۔ اس کے والد اس کی ولادت کے چند ماہ بعد ہی سڑک حادثے میں فوت ہو گئے تھے اور ڈیڑھ سال بعد والدہ دوسری شادی کر کے ناروے چلی گئی تھیں۔

ابو اس کے والد کے جگری دوست تھے اور وہ دوست کی امانت پر بڑی دیانت داری سے باپ بن کر محبت نچھاور کر رہے تھے۔ ابو اسکول میں پڑھاتے تھے امی گھریلو خاتون تھیں۔ ان کا متوسط گھرانہ اپنے مسائل اور محدود آمدن کے ساتھ خوش حال تھا۔ اس نے گریجویشن کے بعد اپنی تعلیم کا شوق پورا کرتے ہوئے خود کو کوچنگ سینٹر سے لے کر کئی چھوٹی موٹی پارٹ ٹائم نوکریوں میں الجھا رکھا تھا۔

ایم ایس سی کے بعد اب وہ پی ایچ ڈی کی تیاری کر رہا تھا۔ باجی کی شادی ہو چکی تھی، حسان کمپیوٹر انجینئرنگ کر رہا تھا، روشن ابھی اسکول میں تھی۔

ایک دن اچانک سامعہ فون لیے اس کے پاس آئیں۔

"علی، سعدیہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

"کون؟" وہ سامنے کھلی موٹی سی کتاب میں ہائی لائٹر سے لائن کھینچ رہا تھا۔

"سعدیہ....." سامعہ نے دبی آواز میں کہا تو وہ سر اٹھا کر انھیں دیکھنے لگا۔

"تمہاری امی بیٹا۔" اسے یہ تین لفظ بڑے عجیب لگے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

سامعہ نے آنکھ کے اشارے سے اصرار کرتے ہوئے فون اس کے سامنے کیا۔ اب کے اس نے حتمی انداز میں انکار میں سر ہلایا۔

سامعہ اسے گھورتے ہوئے دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔

"وہ جھجک رہا ہے سعدی۔۔۔۔۔ پہلی بار ہے ناں اس لیے۔۔۔۔۔ نہیں نہیں..... تم فکر نہ کرو۔۔۔۔۔ میں اس سے بات کرتی ہوں پھر تمہاری بات کروائی ہوں۔"

"اب یہ کیا؟" اس نے ہائی لائٹر میز پر رکھا۔

رات میں سامعہ اس کے پاس آئیں تو اس کا شدید ردعمل دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"امی پلیز! اسے ایشو نہ بنائیں، اب تک جیسے چل رہا تھا سب ویسا ہی رہنے دیں۔"

"کیسی بات کر رہے ہو علی۔۔۔۔۔؟ ماں ہے وہ تمہاری اور۔۔۔۔۔"

"میری ماں آپ ہیں۔"

"وہ تو ہوں بیٹا لیکن یہ حقیقت تو نہیں بدل سکتی ناں، اس نے تمہیں جنم دیا ہے۔"

"اس سے پہلے کبھی بات نہیں کی اور اب اتنے عرصے بعد بات کرنے کا سن کر عجیب لگ رہا ہے مجھے۔" اس نے ایمان داری سے کہا۔

"خود کو تیار کرو، ایک بار بات کرو گے تو آگے سب آسان ہوگا۔"

"آگے کیا؟"

"وہ اگلے ماہ آ رہی ہے یہاں۔"

علی اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"یہاں مطلب اس گھر میں؟"

"ہاں۔۔۔۔۔" سامعہ کو اس کا ہر ردعمل حیران ہی کر رہا تھا۔

"امی!" اس کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"علی! تمہارا یہ ری ایکشن میں نے ایکسپیکٹ نہیں کیا تھا۔"

اتنے سال جیسے گزر گئے ہیں، انہیں کہیں باقی زندگی بھی ویسے ہی گزرنے دیں۔

"ایسا نہ کہو بیٹا۔" سامعہ کی آواز میں دکھ تھا۔ اتنے سال ترسی ہے وہ، اس کی پیاسی ممتا۔۔۔۔۔"

اس کی ہنسی نے سامعہ کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"سوری امی! لیکن آپ کی یہ ایموشنل باتیں مجھے ہنسا رہی ہیں۔ چھوٹے بچے کو چھوڑ کر اپنی دنیا بسانے والی خاتون کے لیے ایسے ایموشنل الفاظ مس فٹ لگ رہے ہیں۔"

"ایسے نہ کہو، وہ مجبور تھی بیٹا۔"

"ہا! مجبور۔۔۔۔۔" اس نے لمبا کھینچتے ہوئے وہ لفظ دہرایا۔ "اتنے برسوں کی مجبوری اب ختم ہو گئی؟"

"ہاں۔۔۔۔۔ اس پر پابندیاں لگانے والی اس کی سخت گیر ساس اب اس دنیا میں نہیں۔"

علی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ میز کی دراز میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

"اگر اس پر سب نے دباؤ نہ ڈالا ہوتا اور وہ مجبور نہ ہوتی تو کبھی تمہیں چھوڑ کر نہ جاتی۔" سامعہ کو اس کی چپ نے حوصلہ دیا۔

"ایسی کیا مجبوری تھی امی؟ اسی شرط کے ساتھ شادی کرتیں کہ بیٹا بھی ساتھ ہوگا، اگر یہ ممکن نہ تھا تو کم از کم اسی شہر یا اسی ملک میں کرتیں، یہ بھی مشکل تھا تو کم سے کم رابطہ تو رکھ ہی سکتی تھیں۔"

"اس وقت کے حالات تم نہیں جانتے اس لیے ایسا کہہ رہے ہو، تمہیں پیچھے چھوڑنے کا فیصلہ اس کے لیے آسان نہیں تھا۔"

"امی میرا دل نہیں مانتا۔ پلیز مجھے اب اتنے عرصے بعد تعلقات بحال کرنے کو نہ کہیں، یہ بات یہیں ختم کر دیں۔"

"علی..... سامعہ کے دل میں اس لمحے کوئی خوف جگہ بنا رہا تھا۔ "تم میری بات سنو شاید تمہاری سوئی محبت جاگ جائے۔"

"امی کینسر کے لاسٹ اسٹیج میں تھیں، ان کی



Monthly Shuaa August 2022

Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

خواہش تھی کہ ان کی زندگی میں سعدی اپنے گھر کی ہو جائے، وقت کم تھا، ایسے میں تمھارے ابو نے اپنے بچپن کے دوست فیضان سے بات کی، ان کی فیملی کو بھی سعدی پسند آگئی، فوراً شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد ہی امی کا انتقال ہوگیا تھا۔ دونوں بھائی پہلے ہی الگ ہو چکے تھے۔ ابھی امی کے انتقال کو چھ ماہ بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ فیضان والا حادثہ ہوگیا اور سعدی تمھیں لے کر ابا کے پاس آگئی۔ تمھاری دادی، دادا، تایا، چاچا کسی نے سعدی یا تمھیں روکنے یا اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ابا کو بیٹوں سے کوئی امید نہیں تھی، ان کی خود غرضی اور امی کی جدائی نے پہلے ہی انھیں توڑ دیا تھا، رہی سہی کسر سعدی کی بیوگی نے پوری کردی۔

وقتاً فوقتاً یہی بات کرتے رہتے، ان کو کچھ ہوگیا، وہ بھی اچانک کسی دن دنیا سے چلے گئے تو سعدی کا کیا ہوگا۔۔۔ جان پہچان اور ملنے ملانے والے بھی جلد سے جلد سعدی کی دوسری شادی کا مشورہ دیتے تھے۔

ابا بہت چڑچڑے ہوگئے تھے، ہر وقت کی فکر نے انھیں عجیب یاسیت اور جلد بازی میں مبتلا کردیا تھا۔ ان حالات میں سعدی خود کو قصوروار اور بوجھ سمجھنے لگی تھی۔ کئی رشتے آئے مگر کہیں بات نہ بنی، کوئی تمھیں ساتھ رکھنے تیار نہیں ہوتا،

اس دوران ذاکر کا رشتہ آیا جو کچھ دن کے لیے بلکہ شادی کرنے کے لیے ناروے سے یہاں آئے تھے۔ طلاق یافتہ ذاکر کی ماں اس شادی پر تیار تھی مگر شرط وہی کہ صرف سعدی ان کے ساتھ جائے گی۔ یہ رشتہ ہر لحاظ سے اچھا تھا تب تمھارے ابو نے کہا کہ ان کے دوست کا بیٹا ان کے پاس رہے گا۔ سعدی تمھیں چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ ہم نے اسے ہر طرح سے اطمینان دلایا، وعدے کیے، قسمیں کھائیں تب کہیں جا کر اس نے شادی کے لیے ہامی بھری۔"

"وہ مزید ویٹ کرسکتی تھیں۔ کوئی نہ کوئی مجھے ساتھ رکھنے پر تیار ہو ہی جاتا، دوسرے وہ یہاں سے جانے کے بعد بھی مجھ سے رابطہ رکھ سکتی تھیں۔ اتنی لمبی خاموشی کی وجہ ان کی مرضی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"اس کی مرضی نہیں علی! یہ اس کی ساس کا حکم تھا۔ تم ہمارے معاشرے میں عورت کی مجبوریاں نہیں سمجھ سکتے۔ اپنی مرضی کے خلاف، سمجھوتے والے، دل پر پتھر رکھ کر کیے گئے فیصلے سے پہلے وہ کس خارزار سے گزرتی ہے، یہ اس عورت کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اس کے اپنے اور پھر یہ دنیا اسے اس کنارے تک دھکیل دیتی ہے کہ خود کو گرنے سے بچانے کے لیے اسے جو ملے وہ تھامنا ہی پڑتا ہے۔ عورت کے آس پاس کوئی مضبوط سہارا نہ ہو تو تنکے کو تھام لینا مجبوری ہوتی ہے اور پھر وہ تنکا چھوٹ نہ جائے یہ ساری زندگی کی جدوجہد۔"

"میں سب مان بھی لوں تو مجھ سے رابطہ نہ رکھنے والی کوئی مجبوری نہیں تھی، وہ اپنی زندگی میں مگن اور خوش تھیں، میں اپنی دنیا میں خوش، اسے یونہی چلنے دیں میری اپنی فیملی ہے، مجھے اب کسی کی ضرورت نہیں، آپ سب میرے لیے کافی سے بہت زیادہ ہیں۔"

"علی!" سامعہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔ "میرے بچے، یہ سب اس کے لیے آسان نہیں تھا، اس کی ساس کی یہ پابندی بڑی کڑی تھی جو دو بچوں کے بعد بھی وہ اسے توڑ نہ سکی، اب ساس کی وفات کے بعد اس نے یہ ہمت کی ہے، اس کی ممتا بہت آزمائشوں سے گزری ہے، مزید نہ تڑپاؤ اسے۔"

"امی!" اس نے سامعہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر سامعہ کا ہاتھ تھاما۔

"سچ یہ ہے کہ بچہ داری کے ابتدائی دنوں کے علاوہ میں نے کبھی ان کے متعلق نہیں سوچا۔ ابو اور آپ نے میرے لیے ایسا کوئی خلا نہیں چھوڑا تھا جہاں کوئی محرومی جگہ بنا پاتی۔" وہ ذرا ٹھہرا۔

"میری بات آپ کو شاید اچھی نہ لگے لیکن اب ان کی آمد، ممتا، محبت اور آزمائش کا ذکر مجھے بالکل



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

اچھا نہیں لگ رہا۔ میں نہیں مان سکتا کہ وہ اتنی مجبور تھیں کہ فون پر بھی رابطہ نہیں کر سکتی تھیں، اگر یہ محبت کے دعوے درست ہیں تو کئی موقعے تھے، جب انھیں مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔ اتنے سال وہ اپنی زندگی میں مگن تھیں انھیں میری فکر تھی نہ میں یاد تھا اب وہ اتنے عرصے بعد کچھ دن کے لیے آرہی ہیں تو ظاہر ہے مجھ سے سامنا بھی ہوگا ہی، اس کے لیے اتنی تمہید اور ماحول بنانے کی کوشش ہو رہی ہے تاکہ میں۔"

علی!" سامعہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا۔ "بہت غلط سوچ رہے ہو تم۔" وہ ناراض ہو گئیں۔"

"آپ کے لیے غلط سہی لیکن میرا موقف یہی ہے کہ انھوں نے اپنی مرضی سے سب جانتے بوجھتے مجھے چھوڑا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ تم البدل عطا کیا کہ میں صرف اور صرف شکر گزار اور احسان مند ہوں، مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں، ان سے بھی نہیں لیکن وہ اس سچائی کو کسی جذباتی کہانی میں ڈھال کر اب ٹریجڈی کوئین بن کر میری ہمدردی یا محبت کچھ حاصل نہیں کر سکتیں۔

یہ بڑی کچی اپروچ ہے، جو کیا تھا اب اسی سچ کو فیس کریں، اسے ٹوئسٹ نہ کریں۔ میرا دل یہ ماننے کو تیار نہیں وہ جب سے اب تک اس قدر مجبور تھیں کہ فون تک نہیں کیا کبھی۔ آپ جان لیں اور انھیں بھی سمجھا دیں۔

"مجھے ان سے نہیں ملنا، میری زندگی میں ان کی گنجائش نہیں، وہ جتنے دن یہاں رہیں گی میں کہیں اور رہ لوں گا۔"

وہ مزید بحث سے بچنے کے لیے اٹھ کر کمرے سے اور پھر گھر سے ہی باہر چلا گیا۔ پیچھے سامعہ آوازیں دیتی رہ گئیں۔

حقیقتاً اس نے سعدیہ کے متعلق اچھا یا برا کبھی کچھ نہیں سوچا تھا۔ مگر اب ان کی آمد اور پھر سامعہ کی باتوں نے اسے اپنی جنم دینے والی ماں سے متنفر کر دیا تھا۔ مجبوری کی یہ داستان اسے جھوٹ اور بہانا ہی لگی تھی۔

سامعہ نے شوہر کی مدد لینا چاہی مگر اس معاملے میں عادل نے بیٹے کی مرضی پر سب چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ سامعہ بہن کی تڑپ اور درد جانتی تھیں اس لیے انھوں نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے وہ سعدیہ کی باتیں کرتی رہتیں۔ ان کی اس مستقل مزاجی پر اس نے سعدیہ کے آنے سے دو دن پہلے ہی گھر چھوڑ دیا۔

کوچنگ سینٹر میں ایک ڈیڑھ ماہ کے لیے اپنے قائم مقام کی تلاش کے دوران اسے الطاف کے ذریعے جو بندہ ملا، اسے اتنے ہی وقت کے لیے کسی چھوٹے شہر کے اسکول میں سائنس اور ریاضی پڑھانے جانا تھا۔ اس نے اس کے ساتھ اپنی جگہ بدل لی۔ اس کا اتا پتا صرف عادل کے علم میں تھا۔ سامعہ، باجی، حسان اور روشن کو اس نے گھر سے نکلنے کے بعد فون پر پیغام بھیجا تھا کہ سعدیہ کے جانے تک وہ گھر سے دور ہے۔ ان کے جانے کے بعد آجائے گا۔ سامعہ کی کالز اور پیغامات کا تواتر دیکھ کر اس نے پرانا نمبر سوئچ آف کر کے وقتی استعمال کے لیے دوسرا نمبر لے لیا تھا۔

سعدیہ سے بھاگ کر وہ جہاں پہنچا وہ جگہ اسے سامعہ کی باتوں کی سچائی باور کرانے کے لیے موزوں ترین ثابت ہوئی تھی۔ دو تنہا، محتاج عورتوں کی مجبوریوں نے اسے اپنی ماں کی مجبوری اور حالات سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

پھر ایک اور جذبے سے مجبور ہو کے اس نے پل بھر میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ امی ابو کی مرضی، مشورے اور اجازت کے بغیر کر لیا۔ تب ہی ابو کی کال آئی اور ایک اور فیصلہ پل بھر میں ہو گیا۔

وہ بچوں کے جانچے پرچے دے کر اسکول سے گھر آیا تو دادی سو رہی تھیں اور ہادیہ کہیں نہیں تھی۔ اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ دیر ہوتی تو بس چھوٹ جاتی۔



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

☆☆☆

گھنٹی کے جواب میں دروازہ روشن نے کھولا۔

بھائی!" اسے دیکھتے ہی اس نے چیخ ماری۔

اسد نے اپنا بیگ اس کی طرف اچھالا۔

"سلام کرتے ہیں، یوں چیختے نہیں۔"

اس کی آواز کے جواب میں سب ایک ساتھ ہال میں داخل ہوئے تھے۔ سامعہ کے ساتھ کھڑا وہ نیا چہرہ اسے اجنبی نہیں لگا۔

اس نے دروازے میں کھڑے کھڑے ہی سلام کیا۔ سامعہ نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے اور پھر تشکرانہ نظروں سے شوہر کو دیکھا۔

"وعلیکم السلام۔" لرزتی آواز سے کہتے ہوئے سعدیہ آگے بڑھیں۔ ان کے چہرے پر بے یقینی، خوشی، جدائی کے زخم درد اور تڑپ کے سائے سب ایک ساتھ لہرا رہے تھے۔ وہ بھی جھجکتے ہوئے دو قدم آگے آیا پھر رک گیا۔

سعدیہ اس کے سامنے آ کر ٹھہر گئیں۔ وہ اس کا چہرہ تھامنا چاہتی تھیں، اس کا ماتھا، اس کے ہاتھ سب چومنا چاہتی تھیں، اسے سینے سے لگا کر اس کی خوشبو اپنے اندر اتارنا چاہتی تھیں۔ وہ ایسی پیاسی تھیں جس کے سامنے اچانک سمندر آ گیا تھا۔ بڑے ضبط سے مسکرا کر انھوں نے پوچھا۔

"کیسے ہو بیٹا؟" ان کی زندگی میں اس لمحے کے تصور اور خواب کی گنتی ممکن نہ تھی جو آج اس وقت حقیقت میں ڈھلا تھا۔

"ٹھیک۔۔۔۔۔ ہوں۔" اس کی ہچکچاہٹ اور کشمکش واضح تھا۔

"آ۔۔۔۔ آپ کیسی ہیں؟" اس نے پوچھا اور سعدیہ ضبط کھو بیٹھیں۔ آنسوؤں کے درمیان کوئی لفظ ان کی زبان سے ادا نہیں ہو سکا تو انھوں نے جلدی سے یوں سر ہلایا۔ مانو اس کی تسلی کے لیے جواب لازم ہو، دیر ہوئی تو وہ پریشان ہو جائے گا۔ اچانک انھوں نے دونوں بازو اوپر کرتے ہوئے بیٹی اور سوال کرتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے گلے لگانے کے لیے وہ مجھ سے اجازت مانگ رہی ہیں۔۔۔۔۔" جانے کہاں سے اس کے حلق میں نمکین پانی اترنے لگا۔

اس میں ذرا سی جنبش ہوئی اور سعدیہ لپکیں۔ اگلے پل وہ اسے لپٹا کر زار و قطار رو رہی تھیں۔ ماں بیٹے کے ملن پر کمرے میں موجود ہر آنکھ نم تھی۔

وہ تنہا ہی آئی تھیں۔ ناروے میں اپنے شوہر کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے مقررہ فلائٹ سے واپسی کینسل کر کے وہ آج رات ہی واپس جا رہی تھیں۔

وہ کسی کا فون نہیں اٹھا رہا تھا نہ کسی کے پیغام دیکھ رہا تھا۔ تھک ہار کے سامعہ نے شوہر سے ایک آخری کوشش کرنے کی التجا کی تھی۔ عادل نے اب بھی اسے آنے کو نہیں کہا تھا بس اطلاع دی تھی کہ وہ جا رہی ہیں اور وہ اس کال کے چالیس منٹ بعد ہی گھر جانے کے لیے بس میں سوار ہو چکا تھا۔ وہ پہنچا تب سب ایئرپورٹ کے لیے نکلنے کو تیار تھے۔

کچھ دیر کی اس ملاقات نے سعدیہ کے سفر کو رائیگانی سے بچا لیا تھا۔ جب اس نے اپنا فون نمبر سعدیہ کو دیا تو سامعہ کے دل میں سکون اور فخر ایک ساتھ اترا تھا۔ ایک ہجر ختم ہوا تھا۔ ایک نئی داستان کا آغاز ہوا تھا۔ دو کردار محبت کی انوکھی کہانی لکھنے والے تھے۔

☆☆☆

کھڑکی کے چوڑے فریم پر کہنیاں ٹکا کر اسد آگے جھکا۔ وہ ایک بار پھر سانس لینا بھول گئی تھی۔

"آج سر درد نہیں ہے، سب کہہ دو۔" وہ مسکرا رہا تھا مگر ہادیہ یونہی دوپٹا ہاتھوں میں تھامے، گردن موڑے اسے تک رہی تھی۔ وہ پل بھر پہلے مانگی دعا کی قبولیت پر بے یقین سی تھی

"صرف وہاں نہیں۔۔۔۔۔" اس کی شہادت کی انگلی کا رخ دوپٹے کے داغ کی طرف تھا۔

"کچھ نقش یہاں بھی رہ گئے تھے۔" اس نے اپنی کلائی کی طرف اشارہ کیا۔ ہادیہ نے ہوش میں



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

آکر دوپٹے کا سرا شانے پر ڈالا، گردن سیدھی کی اور فوراً ہتھیلیاں رخساروں پر پھیر کر انھیں خشک کیا۔

"یہ نمبر بھی شاید آج ہی دیکھا یعنی ان دو تین دنوں میں....." اس نے ذرا سا وقفہ لیا۔ "مجھے خوب گالیاں دی گئی ہوں گی۔"

"میں گالیاں نہیں دیتی۔" اس نے نیچے رکھا کپ اٹھایا اور کھڑی ہوئی۔

"کمینہ تو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔" وہ کہنیاں ہٹا کر سیدھا ہوا۔

"مجھے دادی بلا رہی ہیں۔" اب وہ بھاگنا چاہتی تھی۔ بڑے نازک لمحے میں جو پکڑی گئی تھی۔

"میں ان کے کہنے پر ہی بلانے آیا ہوں۔" وہ وہیں سے ساری بات کر رہا تھا۔

"آج واقعی مہمان بن کر آیا ہوں اور چند خاص مہمانوں کو بھی ساتھ لایا ہوں۔" ہادیہ حیران سی پوری کھڑکی کی سمت گھوم گئی۔ اس کی دانست میں تو آج خالہ آنے والی تھیں۔

"پرنسپل صاحب نے دادی کے سامنے تھرڈ آپشن تو اسی دن پیش کر دیا تھا مگر لگتا ہے یہاں بے خبری میں کسی نے اپنی نیکیاں کم کر لیں، چہ۔"

آج وہ بس کام کی بات کرنے والا بے نیاز سا عارضی کرایے دار نہیں تھا۔ تجسم اور شرارت کے ساتھ اس چہرے پر ہمیشہ چھپی رہنے والی تناؤ کی دھندلی سی پرچھائی اب غائب تھی۔ اسد کے بدلتے تاثر نے اسے اپنی محویت کا احساس کرایا۔ وہ جو نے لگی تھی کہ اسد نے کہا۔

"یہ بھی لے جاؤ۔" اس نے دائیں طرف جھک کر ہاتھ آگے بڑھایا۔ جب وہ سیدھا ہوا تو ہاتھ میں پلیٹ تھی، ڈسپرین اور روئی والی پلیٹ۔

ہادیہ نے آگے آ کر پلیٹ تھامی لیکن اسد نے اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا۔

"ویسے پائل کی چھن چھن، تیز نمک مرچ اور یہ ڈسپرین اور روئی بالکل متضاد رویے ہیں۔"

"میں نے صرف کہا تھا، کیا تو کچھ نہیں۔" اس نے پلیٹ ہلکے سے کھینچی۔

"اور جو کیا، وہاں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رکھی۔" اس کا خفیف تبسم بڑا دلکش تھا۔ یہ تو اس پر بھی صادق آتا تھا مگر ہادیہ کہہ نہیں سکی۔

"یہ آپ ہی لے آئیں۔" اس نے پلیٹ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"اور سب نے پوچھا یہ کیا اور کیوں تو ان سے کیا کہوں؟"

"تو پھر مجھے دے دیں۔" اس نے پھر پلیٹ تھامی۔ اسد نے پلیٹ اپنی طرف کھینچی، وہ بھی آگے آ گئی۔

"میرے یہاں ایسی کھڑکی ہے نہ کٹہرا سس باکس جیسی جگہ....." وہ یوں رکا کہ ہادیہ اسے دیکھنے لگی۔

"گزارا ہو سکے گا؟" وہ جو سننے کا خواہش مند تھا، ہادیہ کا جواب بھی وہی تھا مگر اس وقت حیا، جھجک اور اس کی نظریں اسے زبان تک لانے میں مانع تھیں۔

"ویا!" دادی کی پکار پر اس نے پلیٹ چھین کر ہمیشہ کی طرح دوڑ لگائی تھی۔

☆☆☆

"میں بالکل ٹھیک ہوں دادی۔" فون رکھنے سے پہلے دادی نے ایک بار پھر پہلا سوال دہرایا۔

زندگی میں پہلی بار وہ دونوں ایک دوسرے سے اس قدر دور تھیں۔ شادی کے بعد اور مکان فروخت ہو جانے کے باوجود وہ سب کے اصرار پر بھی ہادیہ کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں ہوئیں۔ بالآخر ہادیہ کے سسرالی گھر کے قریب کرایے کے مکان میں رہنے پر مان گئی تھیں۔ ہادیہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتے ہی انھوں نے بیٹے کو اس کی آخری ذمہ داری یاد دلائی کہ مجھے حج اور عمرہ کے لیے تمھارا ساتھ لازم ہے۔ ہادیہ کے لیے انکار کے بعد اب انھیں ماں کو بھی منانا تھا سو جلد ہی ان کے ویزا ٹکٹ سب کا انتظام ہو گیا اور وہ عمرہ کے لیے چلی



Scanned with CamScanner

www.pklibrary.com

گئیں۔

"آپ میری اور یہاں کی بالکل فکر نہ کریں وہاں عبادات میں دل لگائیں اور ہم سب کے لیے بھی خوب دعائیں کریں۔"

"جی اللہ حافظ۔" وہ فون رکھ کے پلٹی تو اس کی ادھوری چھوڑی سلاد کی پلیٹ سامعہ سجا چکی تھیں۔

"یہ لے جاؤ اور علی کو بھی بلا لو۔" انھوں نے اسے پلیٹ تھمائی۔ دادی اس سے پہلے سامعہ سے بات کر چکی تھیں۔

"جی۔" اس نے ہال میں آکر پلیٹ دستر خوان پر رکھ کر آواز لگائی۔

"روشن، حسان آجائیں، ابو آپ بھی۔" کمرے کی سمت منہ کر کے اونچی آواز کے بعد اس نے صوفے پر اخبار میں گم عادل سے کہا۔ وہ اخبار رکھ کر دستر خوان پر آگئے۔

"علی کہاں رہ گیا؟"

"کمرے میں ہیں، میں دیکھتی ہوں۔"

"دیا!" باورچی خانے سے ہال میں آتی سامعہ نے اسے روکا۔ "وہ فون پر بزی ہوگا تو مت بلانا اسے بلکہ تم بھی ٹھہر جاؤ، اسی کے ساتھ کھانا، ہم شروع کرتے ہیں۔" وہ سر ہلا کر کمرے کی سمت بڑھی۔

"اس کے لیے دیا کو کیوں بھوکا رکھا جائے بھئی۔" پیچھے سے ابو کی آواز سن کر اس نے مسکراتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولا۔ سامعہ نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ فون پر بات کر رہا تھا۔ آہٹ پر اس نے رخ موڑا۔

"جی ان شاء اللہ جلد۔" اس کا انداز بتا رہا تھا۔" دوسری طرف سعدیہ ہیں۔ اس کی آہستہ آواز، دھیما لہجہ اور چہرے کا تاثر سب تکریم اور محبت کے مظہر تھے۔

"اللہ حافظ۔" اس نے فون بند کیا۔

"ارے! کیوں رکھ دیا؟ کرتے ناں بات۔"

"ہو گئی تھی بات، تمھاری وجہ سے نہیں رکھا۔" اس نے چھیڑنے والے انداز میں کہا تو ہادیہ نے گھورا۔

"چلیں، سب کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔" وہ پلٹ کر دروازے کی سمت جانے لگی تھی کہ اسد نے اس کے سامنے آکر راستہ روکا۔

جھوٹ۔" اس نے پورے یقین سے کہا۔ ہادیہ نے ابرو چڑھائے۔

امی کو علم ہے، اس وقت کال کہاں سے ہوتی ہے۔" ہادیہ نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"اس لیے انھوں نے تمھیں میرا ساتھ دینے کے لیے رکنے کو کہا ہوگا۔"

اب وہ اس گھر میں اس قسم کی باتوں کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ سب ہی ایک دوسرے کے مزاج اور برتاؤ کے درست اندازوں اور پیش گوئیوں کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اسد آگے بڑھنے لگا تو اسے الٹے قدم پیچھے چلنا پڑا۔

"بس...... بات ہو گئی ہے تو چلیں اب۔" گھر میں ایک بندے کی پیش قدمیوں کا اندازہ اسے بھی ہونے لگا تھا۔ اسد نے اسے مزید پیچھے جانے سے روکا۔

"مجھے کھانے کی طلب نہیں اس وقت......"

"لیکن یہ وقت کھانے کا ہے......" اس نے تیزی سے بات کاٹی۔

"مسز علی اسد! دنیا کے کام کے مقررہ اوقات ہو سکتے ہیں لیکن محبت کے لیے چند منٹوں کا مقررہ نہیں سارا وقت ہوتا ہے بلکہ اس کے لیے تو سارا وقت بھی کم ہے، سچ تو یہ ہے کہ زندگی بھی کم......"

پہلے طے کر لیں، کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اسے ہنسی آگئی۔

آپ سمجھ تو گئی ہیں مادام۔" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

وہ اسے منہ چڑاتی ہوئی تیزی سے باہر چلی گئی۔

☆

Nadia Majid



Scanned with CamScanner